

جامعہ دارالتقویٰ لاہور کاترجمان

ماہنامہ دارالتقویٰ

محرم الحرام ۱۴۴۱ھ -- ستمبر 2019ء

فضائل تہجد - قرآنِ حدیث کی روشنی میں

کشمیر ترستاہ آزادی کی سحر کو

محرم الحرام کا مہینہ شرعی حیثیت اور احکامات

شہید کر بلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہم

قارئین کرام کے نام!

بجز اللہ تعالیٰ ”ماہنامہ دارالتقویٰ“ مسلسل اشاعت کی نو بہاریں دیکھ چکا ہے۔ آپ حضرات کی طرف سے ”ماہنامے“ کی ترویج و ترقی کیلئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ بھرپور عملی تعاون پر ادارہ آپ کا ممنون ہے اور پُر امید ہے کہ آپ پہلے سے بڑھ کر اپنے حلقہ احباب اور اعزہ و اقرباء کو ترغیب کے ذریعے ”ماہنامہ“ کے مستقل قاری بنانے کی کوشش جاری رکھے ہوں گے۔ آپ کا یہ عمل، خیر کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بن کر ”وتعاونوا علی البر والنقوی“ اور ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ پر ملنے والے اجر و جزا کا سبب ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ آپ ایک سے زائد رسالے جاری کروا کر اپنے مرحوم والدین، رشتہ دار، اساتذہ اور جملہ مرحومین کے ایصال ثواب کا مستقل بندوبست فرما سکتے ہیں۔

ہماری روز اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ رسالے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، جو مواد منتخب کیا جائے وہ مستند ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین کی دنیا و عقبیٰ کے لئے نافع بھی ہو اور عمل پر بھی اُبھارے۔ اس معیار کو مزید بہتر بنانے کے لئے ادارہ آپ کی مفید و قابل عمل تجاویز کا خیر مقدم کرے گا آپ اپنی تجاویز ہمیں درج ذیل پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ الہلال مسجد چوہدری پارک لاہور
03005553616

email;monthlydarulataqwa@gmail.com

ہر فرد
کے لئے

ہر ماہ باقاعدگی سے
شائع ہونے والا تربیتی
اصلاحی و تبلیغی رسالہ

ہر گھر
کے لئے

کاروباری و تاجر حضرات اپنے کاروبار اور مصنوعات
کی موثر تشہیر کے لئے ”دارالتقویٰ“ کا انتخاب کریں

- * آپ کے کاروبار کی موثر تشہیر بھی۔۔۔
- * اور باعث اجر و ثواب بھی۔۔۔
- * آج ہی اپنی کاپی بک کرائیں۔

برائے رابطہ: 03005553616

ماہنامہ
دارالتقویٰ
لاہور

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ دارالتقویٰ

محرم الحرام ۱۴۴۱ھ -- ستمبر 2019ء

جلد نمبر 9 شماره نمبر 1

مدیر

حضرت مولانا اولیٰ احمد صاحب

مولانا عبدالودود ربانی

مدیر مسئول

مفتی محمد اسامہ
مولانا ذوالکفل

مجلس ادارت

اس دائرے میں سرخ نشان
مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

بدعا

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ

ذیہر سیتی

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عثمان صاحب

حضرت مولانا امر رشید صاحب

حضرت مولانا جمیل الرحمن صاحب

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ

متصل جامع مسجد الہلال چوہدری پارک لاہور سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر مئی آرڈر کریں

Email Address
monthlydarultaqwa@gmail.com

فون نمبر: 042-35967905
0321-7771130

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

متصل جامع مسجد الہلال چوہدری پارک لاہور

مقام اشاعت

فہرست

ستمبر 2019ء

ماہنامہ دارالتقویٰ

☆☆☆☆☆☆

اداریہ

5

مدیرمسؤل

کشمیر ترستا ہے آزادی کی سحر کو

☆☆☆☆☆☆

درس قرآن و حدیث

10

مفتی شفیع صاحبؒ

اخوت بھائی چارے اور باہمی حقوق کا بیان

☆☆☆☆☆☆

مقالات و مضامین

14

مفتی محمد وقاص رفیع

فضائل تہجد۔۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں

19

مفتی محمد راشد ڈسکوی

محرم الحرام کا مہینہ۔۔ شرعی حیثیت و احکامات

27

مولانا مجیب الرحمن انقلابی

شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

31

مولانا محمد نجیب قاسمی

محرم الحرام اور عاشورہ کا روزہ

39

علماء و طلبہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باتیں مولانا سمیع الرحمن

45

عین الحق بغدادی

سیدنا عمر بن خطابؓ۔۔ مثالی نظام حکومت

53

مولانا لقیق احمد نعمانی

ہجری سال کا آغاز

62

دارالافتاء و التحقیق

آپ کے مسائل اور ان کا حل

66

عبدالودود ربانی

جامعہ کے شب و روز

کشمیر ترستا ہے آزادی کی سحر کو

جموں و کشمیر بھارت کی سب سے شمالی ریاست ہے جس کا بیشتر علاقہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے پر پھیلا ہوا ہے۔ جموں و کشمیر تین حصوں جموں، وادی کشمیر اور لداخ میں منقسم ہے۔ سری نگر اس کا گرمائی اور جموں سرمائی دار الحکومت ہے۔ وادی کشمیر اپنے حسن کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہے جبکہ مندروں کا شہر جموں ہزاروں ہندو زائرین کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔ لداخ جسے "تبت صغیر" بھی کہا جاتا ہے، اپنی خوبصورتی اور بدھ ثقافت کے باعث جانا جاتا ہے۔ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تاہم ہندو، بدھ اور سکھ بھی بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر پاکستان کے شمال میں 85806 مربع میل علاقے پر واقع ایک خوبصورت خطہ ہے، جس کی آبادی کا 78 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جموں میں 61 فیصد اور وادی کشمیر میں 95 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ وادی کشمیر اور پاکستان کی مشترکہ سرحد 1447 کلومیٹر ہے اور وادی جموں و کشمیر جغرافیائی اعتبار سے پاکستان سے بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

مودی سرکار نے بالآخر جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کرنے کا اپنا انتخابی وعدہ پورا کر دکھایا۔ اس نے بھارتی آئین کی دفعہ 370 اور 351ء کو منسوخ کر کے مقبوضہ جموں و کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کر دی ہے۔ صدر رام ناتھ کی جانب سے نئے قانون پر دستخط کرنے کے بعد جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت ایک عام ریاست میں بدل گئی ہے۔ بھارتی زیر انتظام کشمیر کا پرچم عملی طور پر ختم ہو گیا ہے۔ اس فیصلے کے بعد غیر کشمیری کشمیر میں زمینیں خرید سکیں گے۔ اس صدارتی آرڈر کے پیچھے جو بدنیٹی چھپی ہوئی ہے وہ مقبوضہ

کشمیر میں مقامی آبادی کی عددی برتری کو ختم کرنا ہے۔ یہ ہو، ہو وہی ماڈل ہے جو فلسطین پر قبضہ کرنے کیلئے صہیونیوں نے اپنایا تھا۔

بھارتی سرکار نے یہ انتہائی قدم اٹھانے کے بعد رد عمل سے بچنے کے لئے مقبوضہ کشمیر میں غیر اعلانیہ مدت تک کر فیو لگا دیا ہے جو 5 اگست سے لے کر ان سطور کے لکھے جانے تک بدستور جاری ہے۔ قابض بھارتی فوج نے اپنے جارحانہ اقدامات کے دوران ہزاروں کشمیریوں کو گرفتار کر لیا ہے جس کے باعث جیلیں بھر گئی ہیں اور کئی مقامات کو سب جیل قرار دیا گیا ہے۔ مسلسل کر فیو کے باعث مقبوضہ جموں و کشمیر میں ہر لمحہ سستی زندگی دم توڑنے لگی ہے، جگہ جگہ بھارتی فوج کے اہلکار تعینات ہیں، شاہراہیں بند، موبائل، نیٹ، فون اور ٹی وی نشریات اور ٹرین سروس بدستور معطل اور تعلیمی ادارے بند ہیں۔ جب کہ حریت رہنماؤں اور سیاسی قائدین کو گھروں یا جیلوں میں بند کر دیا گیا ہے۔ کر فیو اور دیگر پابندیوں کے باعث وادی میں دواؤں اور کھانے پینے کی اشیاء کی شدید قلت ہو گئی ہے۔

بھارت نے اقوام متحدہ کی قراردادوں، کشمیری عوام کی خواہشات اور عالمی برادری کے تحفظات کی پروانہ کرتے ہوئے جو قدم اٹھایا ہے اس سے دنیا بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ بھارتی اپوزیشن اور میڈیا کے غیر جانبدار حصے کے علاوہ مقبوضہ کشمیر کی قیادت جو ہمیشہ بھارت کی حمایتی رہی ہے وہ بھی مذمت کر رہی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے بھارتی اقدام پر اقوام متحدہ کا سخت رد عمل سامنے آیا ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ”ہمیں گہری تشویش ہے کہ ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں تازہ ترین پابندیاں خطے میں انسانی حقوق کی صورتحال کو خراب کر دیں گی“۔ انہوں نے مزید کہا کہ مقبوضہ کشمیر کی انتظامیہ سیاسی مخالفین کو سزا دینے کے لیے عقوبت خانوں کا استعمال کرتی ہے، مقبوضہ وادی میں مظاہرین سے نمٹنے کے لیے ماورائے عدالت قتل کیا جا رہا ہے۔ تازہ پابندیاں خطے میں انسانی حقوق کی صورتحال کو مزید ابتر کریں گی، انسانی حقوق کمیٹی تنبیہ کرتی ہے کشمیر سے معلومات کا باہر نہ آنا باعث تشویش ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ بھارت کشمیر میں اختلاف رائے دبانے کے لیے ذرائع مواصلات بند کرتا ہے، اور ذرائع مواصلات پر موجودہ پابندی کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ اس وقت مقبوضہ کشمیر کے سیاسی قائدین زیر حراست ہیں، مقبوضہ کشمیر کی ریاستی اسمبلی پر بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں، پابندیوں سے مقبوضہ کشمیر کے عوامی نمائندے جمہوری بحث میں حصہ لینے سے محروم ہو رہے ہیں۔“

عالمی عدالت انصاف نے مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ کشمیریوں کے آئینی و قانونی حقوق سلب کرنا غیر قانونی اقدام ہے جس سے وادی میں بنیادی انسانی حقوق کے بحران میں مزید اضافہ ہوگا۔ عالمی عدالت انصاف نے جموں و کشمیر پر مودی سرکار کی چالبازیوں کی مذمت کرتے ہوئے بھارتی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر کی سفارشات پر عمل درآمد کرے اور جموں و کشمیر کے شہریوں کو عالمی قوانین کے تحت حاصل حق خود ارادیت کی پاسداری کرتے ہوئے لوگوں کی جان و مال کی تحفظ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے انسانی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے۔

عالمی تنظیم جینو سائیڈ وایج نے مقبوضہ کشمیر میں نسل کشی کا الرٹ جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں بڑے پیمانے پر قتل عام کا خطرہ ہے، عالمی برادری مسلمانوں کی نسل کشی روکے، بھارت انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کر رہا ہے، تشدد اور جنسی زیادتی کے واقعات عام ہیں، وادی میں مسلمانوں کو دہشتگرد اور علیحدگی پسند بنا دیا گیا۔ بھارتی فوج نے 2016 سے اب تک 70 ہزار کشمیری شہید کیے، مقبوضہ کشمیر میں مواصلاتی نظام اور انٹرنیٹ بند ہے، مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں جاری ہیں، مقبوضہ کشمیر میں تشدد اور جنسی زیادتی کے واقعات عام ہیں۔ کشمیر میں جرم کے بغیر دو سال تک قید کے واقعات عام ہیں۔ اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی نے بھی بھارتی اقدام کی مذمت کی ہے اور مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

جہاں تک کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کا تعلق ہے تو بوکھلاہٹ کا شکار مودی سرکار کے اس اقدام سے اسے مزید تقویت ملی ہے، کشمیری مزید مشتعل ہوئے ہیں، انکے جذبہ حریت کو مزید جلا ملی ہے، کشمیریوں کا وہ طبقہ جو اب تک بھارت کا حمایتی رہا ہے وہ بھی اپنے ماضی کے موقف پر دو حرف بھیجتے ہوئے حریت پسندوں کی صفوں میں جا کھڑا ہوا ہے اور نہتے ہونے کے باوجود بھارتی سفاک فورسز کیخلاف بھرپور مزاحمت کر رہا ہے۔ کون سا ظلم ہے جو بھارتی فوج نے مقبوضہ کشمیر میں نہیں ڈھایا اور اب تک وہاں ایک لاکھ سے زائد کشمیری شہید اور لاکھوں زخمی ہو چکے ہیں جب کہ بڑی تعداد میں خواتین کی بے حرمتی بھی کی گئی ہے۔ 72 سال گزرنے کے باوجود کشمیریوں کا عزم اور حوصلہ برقرار ہے اور ان کی جدوجہد آزادی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ بھارت کا ہر ظلم ان کے جذبہ حریت کو مزید بھڑکا دیتا ہے اور ہر سال سینکڑوں کشمیری اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے آزادی کی شمع کو روشن رکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہمارے بڑوں نے سوچ سمجھ کر کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا۔ انہوں نے جذبات میں آ کر یونہی نہیں کہہ دیا تھا، بلکہ منطق اور دلیل سے بات کی تھی۔ ہم ایک زرعی ملک ہیں اور ہماری ساری زراعت کا انحصار کشمیر سے آنے والے پانی پر ہے، ہمارے پانی کے سارے چشمے اور مصاد کشمیر سے پھوٹتے ہیں اگر اس شہ رگ کو کاٹ دیا جائے تو ہم ایک بنجر اور خشک صحرا کی صورت ہو جائیں گے۔ اس شہ رگ کو آج دشمن بری طرح دبوچ چکا ہے۔ سلامتی کونسل کا ایک اجلاس آج ہماری تسکین کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ کیا ایک اجلاس سے ان زخموں سے رستا ہوا خون بند ہو گیا؟ کیا ظالم کے ہاتھ سے بندوق چھین لی گئی؟ کیا ہندو جنونیوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے سینے چیر دینے والی شمشیر اور خنجر چھین لئے گئے؟

بدقسمتی سے کشمیر کبھی بھی ہماری حکومتوں کی ترجیح نہیں رہا۔ پاکستان کی کشمیر پر خارجہ پالیسی کبھی پرکھی مارنے کے مترادف رہی ہے۔ قومی قیادت کا امتحان آزمائش کے وقت ہی ہوتا ہے۔ ہمارے حکمران ہمیشہ بھارت سے مذاکرات کی بھیک مانگتے نظر آئے۔ موجودہ حکومت نے تو حد کر دی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نے اپنی کمزوری دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جب کہ اسلام تو کمزوری کے باوجود دشمن کے سامنے اڑ کر چلنے کا درس دیتا ہے۔ مدینہ کی ریاست بنانے والے اسلام کے مدنی احکام سے اعراض کرتے ہوئے کئی احکام پر عمل کرنے پر بضد ہیں جو محض مخصوص وقت کے لئے تھے۔ فلسفہ جہاد کو نظر انداز کر کے اسلام کے امن کے سبق کی رٹ لگائے رکھنے نے دشمن کو بہادر بنا دیا ہے۔ پارلیمنٹ میں اپنے ازلی دشمن کا نام لے کے یہ کہنا کہ میں اسے بار بار فون کر رہا ہوں اور وہ میرا فون نہیں سن رہا جگ ہنسائی کا باعث بنا۔ 50 سال بعد سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث آنے پر بغلیں بجانے والے بتائیں 72 سال بعد انڈیا کو یہ جرات بھی تو آپ کے دور میں ہوئی کہ اس نے کشمیر کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا ہے اور بھارت کے حق میں ووٹ دے کر اسے سلامتی کونسل کا غیر مستقل رکن بنانے کا سہرا بھی تو آپ کی حکومت کے سر پر ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرا سقوط ڈھاکہ ہو چکا ہے۔ خدا نہ کرے ایسا ہو، صاف لگ رہا ہے کہ کشمیر میں فلسطینی ماڈل کے مطابق کام ہو رہا ہے اور ہم عرب دنیا کی طرح اب کے ماروالی مزاحمت کر رہے ہیں۔ 72 سالوں میں لاکھوں کشمیری شہید کر دیئے گئے، ماؤں، بہنوں بیٹیوں کی

عصمت دری کے واقعات شمار سے باہر ہیں اور ہم جب سے ہوش سنبھالا ہے ایک ہی جملہ سن رہے ہیں کہ ہم کشمیر کے ساتھ کھڑے ہیں، ہم انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ ان کی ماؤں بہنوں کی عصمتیں ٹولٹ رہی ہیں وہ اپنے پیاروں کے روز جنازے تو اٹھا رہے ہیں، تمہاری شہ رگ تو دشمن نے دبوچ لی ہے تم اب بھی دلیل اور منطق سے کشمیر چھڑانا چاہتے ہو، سلامتی کونسل کی قراردادوں سے امیدیں لگائے بیٹھے ہو، اقوام متحدہ کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہو، آزادی کبھی بھیک مانگنے سے ملی ہے؟

یہ بھیک نہیں آزادی ہے مانگے سے بھلا ملتی ہے کبھی
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
مغرب کے سیاست دانوں سے امید نہ رکھ آزادی کی
یا طاقت سے کشمیر چھڑا یا آرزوئے کشمیر نہ کر

کشمیر جس کے ساتھ جہاں ہماری سلامتی، معیشت اور جغرافیائی بقاء وابستہ ہے، وہیں یہ ہمارے ایمان اور قومی حمیت کا معاملہ بھی ہے۔ کشمیر کے باسی ہندوستان سے نفرت اور پاکستان کی محبت میں آج جس مقام پر کھڑے ہیں، وہاں پاکستان کسی صورت غلطی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہمیں کشمیر کی مدد کے لئے عملاً کھڑا ہونا پڑے گا، محض زبانی دعوؤں، کھوکھلے نعروں، پریس کانفرنسوں اور جو شبلی تقریروں سے ایک قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ یاد رکھیں! آج اگر ہم ایک مرتبہ پھر عالمی طاقتوں کی طفل تسلیوں میں آکر خاموش ہو کے بیٹھ گئے تو دشمن کا اگلا ہدف گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر ہوگا جس کا اس نے اب اظہار بھی شروع کر دیا ہے کہ اب اگر مذاکرات ہوں گے تو پاکستان کے زیر تسلط کشمیر پر ہوں گے۔ یہ اب ہماری قومی قیادت کا امتحان ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوتی ہے یا جی بی اور آزاد کشمیر کی آزادی کو بھی خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

والسلام
عبدالودود ربانی
مدیر مسؤول

درس قرآن

مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اخوت، بھائی چارے اور باہم حقوق کا بیان

سورة النساء..... آیت نمبر 1... ❁

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ❁ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ❁
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَحَدِيقٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ❁

ترجمہ:

”اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلانے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

خلاصہ تفسیر

اے لوگو! اپنے پروردگار (کی مخالفت سے) ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار (یعنی آدم (علیہ السلام) سے پیدا کیا، (کیونکہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں) اور اس (ہی) جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حواء کو) پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلائیں اور (تم سے

مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے (اپنے حقوق کا) مطالبہ کیا کرتے ہو (جس مطالبہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ خدا سے ڈر کر میرا حق دیدے، سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈرنے کو کہتے ہو، تو معلوم ہوا کہ تم اس ڈرنے کو ضروری سمجھتے ہو تو تم بھی ڈرو) اور (اول تو تمام احکام الہیہ میں مخالفت سے بچنا اور ڈرنا ضرور ہے، لیکن اس مقام پر ایک حکم خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے) کہ قرابت (کے حقوق ضائع کرنے) سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب (کے حالات کی اطلاع رکھتے ہیں) اگر مخالفت کرو گے مستحق سزا ہو گے۔

معارف و مسائل

یہ پہلا حکم ہے جو تمہید کے بعد ارشاد فرمایا گیا اور تمام تعلقات قرابت کی نگہداشت پر حاوی اور شامل ہے۔

صلہ رحمی کے معنی اور اس کے فضائل

لفظ ارحام، رحم کی جمع ہے، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں، جس میں ولادت سے پہلے ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، چونکہ ذریعہ قرابت یہ رحم ہی ہے، اس لئے اس سلسلے کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ داری کی بنیاد پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہو گئے، ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی برتنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث شریفہ میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔
 ”یعنی جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔“

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے اہم فائدے معلوم ہو گئے کہ آخرت کا ثواب تو ہے ہی، دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مدینہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے آپ

نے فرمایا:

”لوگو: ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، اللہ کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو۔ جبکہ عام لوگ نیند کے مزے میں ہوں، یاد رکھو! ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔“

ایک اور حدیث میں ذکر ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا، جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”اگر تم اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔“

اسلام میں غلام باندی کو آزاد کرنے کی بہت ترغیب ہے اور اسے بہترین کارثواب قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کا مرتبہ اس سے بہر حال اعلیٰ ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت ہے، آپ نے فرمایا:

”یعنی کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے اور اپنے کسی عزیز قریب کی مدد کرنا دوا مروں پر مشتمل ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔“

صرف مصرف کے تبدیل کرنے سے دو طرح کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں قطع رحمی کے حق میں جو شدید ترین وعیدیں روایات حدیث میں مذکور ہیں اس کا اندازہ دو حدیثوں سے بخوبی ہو سکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

”جو آدمی حقوق قرابت کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔“

”اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترے گی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔“

انہی میں پھر دلوں میں ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے فرمایا:

ان اللہ کان علیکم رقیباً یعنی ”اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے۔“ اگر رسمی طور پر شرماشرمی، بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا مگر دل میں جذبہ ایثار و خدمت نہ ہو تو قابل قبول نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگران ہے، قرآن کریم کا یہ عام

اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا، بلکہ تربیت و شفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے، قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔



صحبت کا اثر ہوتا ہے

ایک ایسا اہم موضوع جس کی طرف آج بھی بہت کم توجہ کی جاتی ہے، مجدد المعاشرت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے تقریباً ایک صدی پہلے اس کے بارے میں فرمایا کہ: ”اصلی چیز اصلاح کیلئے صحبت ہے علم جا ہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے، صاحب صحبت بلا علم کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے صاحب علم بلا صحبت سے، اس واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں بچوں کو صلحاء و علماء کے پاس بھیجا کرو، بڑے بھی اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پانچوں پر اعتراض کریں گے نہ ان کی داڑھی سے ہمیں بحث ہوگی نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھوائیں گے، وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے اُس ہوگا اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی، یہ مناسبت جڑ ہے اور علم و عمل اس کی فروغ، صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے۔ صرف محبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت کا التزام رکھا، اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف“ (کمالات اشرفیہ، ص 172 طبع کراچی) دوسری جگہ ایک اور ملفوظ ہے: ”ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے کوئی نسبت حسب دلخواہ نہیں آئی جو عقد کیا جاوے، اگر کہیں سے داڑھی والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت مفلوک الحال ظاہر ہوتے ہیں اور جس کو دال روٹی سے خوش دیکھا جاسکتا ہے تو وہاں داڑھی صفا چٹ، کئی جگہ محض اس وجہ سے انکار کر دیا گیا۔ دعا کیجئے حق تعالیٰ آبرورکھیں اور اس معاملے میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے ہر شخص کہتا ہے کہ میاں اس خیال کو چھوڑو آج کل داڑھی بڑی مشکل سے ملے گی، جواب تحریر فرمایا: ”واقعی بڑی مشکل ہے، میں پچھترائے نہیں دیتا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں پوری دینداری داڑھی والوں میں بھی نہیں، پس ایک داڑھی منڈانے کا گناہ کر رہا ہے، دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کر رہا ہے تو نری داڑھی لیکر کیا کریں گے، اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت عفا (نایاب) ہے، پس اس صورت میں اگر اس میں تھوڑی سی وسعت کی جاوے یعنی صرف دو چیزوں کو دیکھ لیا جاوے؛ ایک یہ کہ اعتقاد اسلامیہ میں شک و شبہ یا تمسخر و استہزاء سے پیش نہ آوے۔ دوسری طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو، نرم خو کہ اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو اور گنجائش مالی بقدر ضرورت ہونا تو ضروری ہی ہے تو ایسے شخص کو گوارا کر لیا جاوے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہوگی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس داڑھی کے معاملے میں اس کی اصلاح ہو جائے، (کمالات اشرفیہ ص 311)

مفتی محمد وقاص رفیع

استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

فضائل تہجد..... قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں صرف اور صرف اپنی عبادت، اپنی معرفت اور اپنی پہچان کروانے کے لیے بھیجا ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی بندگی کر کے اُس کی ذات کو پہچان کر اور اُس کی معرفت حاصل کر کے اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے، اور پھر آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی عیش و عشرت اور راحت و آرام میں بسر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور ائمہ مجتہدینؒ نے اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی، معاشرت و معیشت، غمی و خوشی، تنگ دستی و فراوانی اور اپنی حرکات و سکنات اور نشست و برخاست کے ہر وقت اور ہر لمحہ میں اس عظیم مقصد کو اپنے سامنے رکھا اور اس کے اختیار کرنے میں ہمیشہ وہ کوشاں رہے۔ وہ دُنوی کاروبار، زراعت و تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن اُن کے دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محبت و الفت میں مست و سرشار رہتے اور کسی وقت بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ۔“

”(یہ وہ لوگ ہیں کہ) جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے، نہ

نماز قائم کرنے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔“ (النور: ۳۷)

یہی وہ لوگ ہیں جو رات جیسے پرسکون وقت میں بھی راحت و آرام کے بجائے اپنے محبوبِ حقیقی کے سامنے عبادت و بندگی کے لیے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اور نماز میں اُس کے سامنے راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کا قرآن مجید میں مختلف انداز میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

”تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

يَنْفِقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔“ (الم السجدة: ۱۶، ۱۷)

”اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈر اور اُمید (کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے وہ اُس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کسی تنفس کو کچھ پتا نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

”كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔“

(الذاریات: ۱۷، ۱۸)

”وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”وَالَّذِينَ يَبِينُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا۔“ (الفرقان: ۶۴)

”ترجمہ:“ اور (رحمان کے بندے وہ ہیں) جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں۔“

ایک جگہ ارشاد ہے:

”أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔“ (الزمر: ۹)

”بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہو سکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ کیا وہ جو جانتے

ہیں اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وَمِنْ أُنْيَائِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ۔“ (طہ: ۱۳۰)

”اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ فَيَلًا۔“ (المزمل: ۶)

”بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جو جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور بات بھی

بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔“

ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

”إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنُصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةَ مَنِ

الَّذِينَ مَعَكَ۔“ (المزمل: ۲۰)

”اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک

تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا

ہی کرتی ہے)۔“

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا

مَخْمُودًا۔“ (بنی اسرائیل: ۷۹)

”اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے، اُمید ہے کہ تمہارا

پروردگار تمہیں ”مقام محمود“ تک پہنچائے گا۔“

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی تہجد کی نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل اور مختلف قسم کی ترغیبات وارد

ہوئی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا، تاکہ

دیکھوں (کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں یا نہیں؟) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھ کر کہا کہ: یہ چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا، وہ یہ تھا کہ لوگو! آپس میں سلام کا رواج ڈالو اور (غرباء کو) کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں (تہجد کی) نماز پڑھا کرو، تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (قیام اللیل)

حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایسے بالا خانے ہیں (جو آنگینوں کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) اُن کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اچھی طرح سے بات کریں، اور (غرباء) کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزے رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو تہجد پڑھیں، جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔“ (ترمذی، ابن ابی شیبہ)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم رات کے جاگنے کو لازم پکڑو، کیوں کہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے اور حسد سے دور کرنے والی چیز ہے۔“ (قیام اللیل)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”تین قسم کے آدمیوں سے حق تعالیٰ شانہ بہت خوش ہوتے ہیں: ایک اُس آدمی سے جو رات کو (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑا ہو، دوسرے اُس قوم سے جو نماز میں صف بندی کرے، اور تیسرے اُس قوم سے جو جہاد میں صف بنائے (تا کہ کفار سے مقابلہ کرے)۔“ (قیام اللیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”رمضان کے روزے کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ محرم کا ہے۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز رات (کے وقت تہجد) کی ہے۔“ (مسلم، مشکوٰۃ)

پرانے وقتوں میں نماز تہجد بڑی کثرت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے کا رواج تھا، گھر کے بڑے بوڑھے مختلف افراد، مرد و عورتیں رات کے پچھلے پہر بستر چھوڑتے، ٹھنڈے، گرم پانی سے وضو کرتے، پھر

مرد حضرات مسجد کی طرف چل دیتے، اور خواتین گھروں میں مخصوص جگہوں پر تہجد کی نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتیں، اور یہ لوگ سپیدہ سحر نمودار ہونے تک اسی طرح اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ راز و نیاز میں ہمہ تن مصروف اور منہمک رہتے، لیکن آج بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب سے نت نئی ایجادات ٹی وی، وی سی آر، ڈش اور انٹرنیٹ بالخصوص فیس بک وغیرہ متعارف ہوئی ہیں، تب سے ہم مسلمانوں سے ہمارا یہ قومی اور دینی ورثہ مکمل طرح سے چھوٹ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تہجد کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الأمی الامین، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم



موجودہ زمانہ میں تبلیغی کام کی شدید ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی کتاب میں نقل فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نے ارشاد فرمایا:

”میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو اپنی اس اسکیم کے زندہ ہونے بغیر بے چین پارہا ہوں اور اس وقت دنیا میں مذہب کی تازگی اور تمام دنیا کی اسلامی مخلوق کی بلاؤں اور آفات کا دفعیہ مجھے کھلی آنکھوں اپنی اس تحریک کی تازگی میں منحصر نظر آ رہا ہے اور کچھ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کی طرف سے اس کی نصرت اور تائید کی کھلی آیات (نشانیوں) نظر آ رہی ہیں، اور امیدیں بہت اچھی کامیابی کی سرسبز یوں سے شاداب ہیں، میں اس امر میں مبادرت و مسابقت کرنے والوں کے لئے خوش نصیبی اور سعادت کا بہت ہی بڑا حصہ نمایاں دیکھ رہا ہوں، لیکن کھلی رغبت کے ساتھ مبادرت و مسابقت کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۳۰۱)

فائدہ: حضرت مولانا الیاس صاحب نے اس کام کی اہمیت و افادیت کے متعلق سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر امید رکھتے ہوئے اپنے گمان کے مطابق اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتہائی جذبہ کے ساتھ غلبہ حال میں ارشاد فرمایا ہے، اور یہ اسی وقت پورے طور پر ممکن ہوگا جب حضرت کے فرمان کے مطابق تحریک کو فروغ دیا جائے، جس میں دین کے سارے شعبوں کو زندہ کرنا اور امت کے مختلف طبقات کے چھوٹوں بڑوں کے حقوق پہچاننا اور ان کو ادا کرنا بھی ہے، اس کے بغیر یہ تحریک زندہ نہیں سمجھی جائے گی۔

مفتی محمد راشد ڈسکوی

استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

محرم الحرام کا مہینہ! شرعی حیثیت، احکامات

نئے ہجری سال کی ابتدا مدینہ منورہ کی طرف ہجرتِ نبوی ﷺ سے لے کر اب تک چودہ سو چھتیس سال کا عرصہ بیت چکا ہے، چودہ سو اکتالیسواں سال شروع ہو چکا ہے۔ محرم الحرام اسلامی تقویم ہجری کا پہلا مہینہ ہے، کتنے ہی پڑھے لکھے، دیندار لوگ ایسے ہیں جنہیں اسلامی تقویم کا علم ہی نہیں، ان سے اسلامی مہینوں کے نام معلوم کر لیں وہ آپ کو نہیں سنا سکیں گے، ان سے روزانہ کی اسلامی تاریخ معلوم کی جائے تو وہ نہیں بتلا پائیں گے۔ جب کہ اس کے برخلاف شمسی تقویم، اس کے مہینوں کے نام اور تاریخ ہر کسی کو معلوم ہوتی ہے۔ کسی بھی دن کسی سے بھی پوچھ لیں کہ آج کیا تاریخ ہے؟ تو فوراً بتادیں گے۔ جب شمسی سال کے پہلے مہینے جنوری کی ابتدا ہوتی ہے تو ”نیو ایئرناٹ“ پر وہ خوشیاں بھی مناتے ہیں، خوب ہلہ غلہ کرتے ہیں، گویا اس طریقے سے وہ نئے سال کا آغاز کرتے ہیں۔ اس مقام پر ہم نے غور و فکر یہ کرنا ہے کہ ”نیو ایئر“ کی اس طرز پر ابتدا ہم نے کہاں سے لی؟! ہمارے لیے تو ”نیو ایئر“ کی ابتدا محرم الحرام کے بابرکت مہینے سے شروع ہوتی ہے، اور چونکہ ہم مسلمان زندگی گزارنے کے طور طریقوں کے معاملے میں مستقل ایک کامل تہذیب کے مالک ہیں، اس لیے ہمیں اپنی زندگی کی راہ و رسم میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھکاری پن اختیار کرنا مسلمان کی مسلمانیت کے خلاف ہے، ہمیں کسی کے در پر جھکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم تو خود ساری دنیا کو تہذیب و شائستگی کے آداب و طریقے سکھانے والے ہیں۔

نئے مہینے کے استقبال کا اسلامی طریقہ ”نئے سال“ کی ابتدا ہو یا ”نئے مہینے“ کی، شریعت میں جب بھی یہ ”نئے سال“ یا ”نئے مہینے“ کا لفظ بولا جائے گا اس سے مراد اسلامی مہینہ ہی ہوگا، نہ کہ شمسی مہینہ، چنانچہ اس مہینے کی ابتدا کا مسنون طریقہ شریعت کی طرف سے صرف یہ سامنے آتا ہے کہ مہینے کے اختتام پر نئے مہینے کے چاند کو دیکھنے کا اہتمام کیا جائے، یہ عمل مسنون ہے اور جب چاند نظر آجائے تو نیا چاند دیکھنے کی دعا بھی پڑھی جائے، یہ بھی مسنون ہے۔ اس مسنون طریقے کے ہی اپنانے میں اور دعاؤں کا اہتمام کرنے میں برکت، حفاظت اور ثواب ہے۔ ہمیں فضول قسم کی رسومات اور خرافات سے بچتے ہوئے اسی کا اہتمام کر کے سچے مسلمان اور محب النبی ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔

امام ابن السنی نے مہینے کی ابتدا کے بارے میں آپ ﷺ کی سنت و عادت شریفہ کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا رأى الهلال قال: ”اللهم اجعله

هلال يمين وبركة“ (عمل اليوم والليلة لابن السنی، ص: ۵۹۶)

ترجمہ: ”حضرت رسول اللہ ﷺ جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یوں دعا مانگتے: اے اللہ! ہمارے لیے اس چاند کو خیر و برکت والا بنا دے۔“

ایک دوسری روایت میں اس وقت یہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے:

”اللهم أهله علينا باليمن والإيمان والسلامة والإسلام، ربّي وربّك

الله“ (مسند أحمد بن حنبل)

ترجمہ: ”اے اللہ! اس پہلی رات کے چاند کو امن و سلامتی اور ایمان و اسلام کے ساتھ ہم پر طلوع

فرما، (اے چاند!) میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔“

ہمیں بھی مہینے کی ابتدا اسی طرح کرنی چاہیے، جیسا کہ آپ ﷺ کا طریقہ تھا، تاکہ برکتیں اور رحمتیں

حاصل ہوں، چہ جائیکہ! ہم رسوم و بدعات سے ابتدا کریں۔

اسلامی کیلنڈر استعمال کرنے کی اہمیت

دوسری بات یہ کہ ہمیں چاہیے ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روزمرہ کے

استعمال میں اس تقویم کو سامنے رکھیں، اگرچہ! دوسری تقویّات، تاریخوں اور کیلنڈروں کا استعمال گناہ نہیں

ہے، شرعاً اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے، لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی تقویم کو بالکل بھلا ہی بیٹھیں، یہ کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اور اس کے استعمال میں ثواب ہے جس سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدا نخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ کے ہاں مجرم ٹھہریں گے، اس لیے کہ اسلام کی بہت ساری عبادات کا تعلق دربط اسی تقویم کے ساتھ ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ اپنی تفسیر ”بیان القرآن“ میں رقمطراز ہیں:

”البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے، اس لیے اس کی حفاظت ”فرض علی الکفایہ“ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنا لیوے، جس سے حساب قمری ضائع ہو جاوے (تو) سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لا بد افضل و احسن ہے۔“ (بیان القرآن، سورۃ التوبہ: ۳۶، ج: ۳، ص: ۱۳۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اسلامی سال کے اس پہلے مہینے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہے، یہ عظمت والے مہینوں میں سے ہے، تاریخی روایات کے مطابق اس مہینے میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے، احکامات کے اعتبار سے صحیح اور مستند احادیث سے جو امور سامنے آتے ہیں، وہ صرف دو ہیں: ماہ محرم الحرام میں پہلا حکم اس ماہ مبارک میں مطلقاً کسی بھی دن روزہ رکھنا رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ شمار ہوتا ہے، نیز! نو اور دس محرم یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا اور بھی زیادہ فضیلت کی چیز ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہے:

”أفضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم، وأفضل الصلاة بعد الفریضة

صلوة اللیل“۔ (صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب فضل صوم المحرم، رقم

الحدیث: ۲۰۲)

ترجمہ: ”رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں، اور فرض نماز

کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔“

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے عاشورا کے دن خود روزہ رکھا اور حضرات صحابہؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، تو اس پر حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن کی تو یہود و نصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (غالباً یہ عرض کرنا مقصود ہوگا کہ روزہ رکھ کر تو ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی، گویا ہم ایک عمل میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے) تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے“۔ (اس طرح سے مشابہت کا شبہ باقی نہیں رہے گا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔“ اسی وجہ سے فقہاء کرامؓ فرماتے ہیں: صرف عاشورا کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی ملا لیا جائے، تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں، اس نبوی تعلیم سے یہ بات سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ کسی کارِ خیر میں بھی یہود سے مشابہت یا موافقت کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا؛ چہ جائیکہ! دوسری عادات یا معاملات میں ان سے مشابہت کو قبول کر لیا جائے۔

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش بھی زمانہ جاہلیت میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ ترجمہ: ”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش روزہ رکھتے تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ بھی روزہ رکھتے تھے، جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، پھر جب ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی فریضت کا حکم آیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اختیار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”جو چاہے عاشورا کا روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے“۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے قبل بھی حضور ﷺ کی اپنی عادت شریفہ روزہ رکھنے کی تھی اور ہجرت کے بعد دوسروں کو بھی تاکید فرمائی تھی۔ ماہ محرم الحرام میں دوسرا حکم عاشورا کے دن اپنے اہل و عیال پر کھانے پینے یا کسی بھی اعتبار سے وسعت کرنا، اس کی خاص فضیلت وارد ہے؛ چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من وسَّع علی عیالہ فی یوم عاشوراء، وسَّع اللہ علیہ السنۃ کلہا“۔

(شعب الایمان للبیہقی، ج: ۳، ص: ۳۶۵)

ترجمہ: ”جو شخص عاشورا کے دن اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں وسعت و فراخی کرے گا، اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر (رزق میں) وسعت فرمائے گا۔“ اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر کلام ہے، مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق ایسی روایات جو مختلف طرق سے مروی ہوں، ان کی مختلف اسناد کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے اس کو فضائل میں بیان کرنے پر کوئی بڑا اشکال باقی نہیں رہتا۔ امام بیہقیؒ اس مضمون کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”هذه الأسانید وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض، أخذت قوة، والله أعلم۔“ (شعب الایمان للبیہقی، ص: ۳۶۵)

ترجمہ: ”اگرچہ ان روایات کی سندوں میں ضعف ہے، لیکن ان میں مجموعی طور پر اتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوت کی شکل بن جاتی ہے۔“

محرم الحرام میں سوگ کرنے کا حکم ایک اور چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ یہ مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسہ رسول حضرت حسینؑ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے؟!؟

اس بارے میں سب سے پہلے علامہ ابن کثیرؒ کا ایک قول ملاحظہ کرتے ہیں:

”ہر مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کو حضرت حسینؑ کی شہادت کا واقعہ غمگین کر دے، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے سردار اور اہل علم صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی سب سے افضل نختِ جگر کے بیٹے یعنی آپ ﷺ کے نواسے تھے، آپ عبادت کرنے والے، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے۔ آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے، اُن کو چالیس ہجری سترہ رمضان جمعہ کے دن جب کہ وہ اپنے گھر سے نماز فجر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، شہید کر دیا گیا۔“

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنہیں چھپالیس ہجری عید الاضحیٰ کے بعد انہی کے گھر میں شہید کر دیا گیا، لیکن لوگوں نے ان کے قتل کے دن کو بھی اس طرح ماتم نہیں کیا، اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ ان دونوں حضرات (حضرت عثمانؓ اور

حضرت علیؓ سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں نماز کی حالت میں جب کہ وہ قراءت کر رہے تھے شہید کر دیا گیا، لیکن ان کے قتل کے دن بھی اس طرح ماتم نہیں کیا جاتا، اور جناب نبی اکرم ﷺ جو دنیا و آخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن کو بھی کسی نے ماتم کا دن قرار نہیں دیا۔“

اس قول کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ ”شہادت“ کا مرتبہ خوشی کا ہے یا غم اور سوگ کا؟؟!! تعلیمات نبویہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے: حضرت فاروق اعظمؓ کا شوق شہادت یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروقؓ مستقل حصول شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری)

حضرت خالد بن ولیدؓ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولیدؓ جنہیں بارگاہ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے، لیکن اللہ کی شان انہیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ (البدایہ والنہایہ)

جناب رسول اللہ کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں“۔ (صحیح مسلم)

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں بتلایا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا دن ہے جس میں کسی نہ کسی صحابی رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، جس کا مقتضایہ ہے کہ اس

دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے، نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی ﷺ کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی، لیکن کیا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ان کی شہادت کے دن کو اس طرح منایا؟؟!! نہیں! بالکل نہیں! تو پھر کیا ہم اپنے نبی ﷺ سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟؟!!

خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی رسومات اور فضول اعمال سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔ محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہ مبارک میں سوگ کرنا بالکل بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراءؑ سے شادی اسی ماہ مبارک میں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلاۃ والسلام وازواجہ، ج: ۳، ص: ۱۲۸، دار الفکر۔ تاریخ الرسل والملوک للطبری، ذکر ما کان من الامور فی السنۃ الثانیۃ، غزوة ذات العشیرۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۰، دار المعارف بمصر)

اس مہینے میں شادی نہ ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس مہینے میں نحوست ہے، جب کہ شرعاً یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے، بلکہ یہ عقیدہ یا ذہن رکھنا ہی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی دن یا زمانے میں کسی قسم کی نحوست نہیں رکھی گئی۔ اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاویٰ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

ذیل میں فتاویٰ رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

” (الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش و اقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

” لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلث لیال

الإعلیٰ زوج أربعة أشهر وعشراً۔“ (بخاری ص: ۸۰۳، ج: ۲)

ترجمہ: ”جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔“

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنا نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ خوب احتیاط برتیں، ان رسومات سے علیحدہ رہیں، اس لیے کہ ان میں شرکت حرام ہے۔ ”مالا بدمنہ“ میں ہے: ”مسلم تراشبہ بہ کفار و فساق حرام است۔“ یعنی: ”مسلمانوں کو کفار و فساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔“ (ص: ۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

” (سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑ دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیرہ روٹی پکائی جائے گی۔
۲: ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

۳: ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟
(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔“ (احکام شریعت، ص: ۹۰، ج: ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔“ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسننہ، ج: ۲، ص: ۱۱۵، دارالاشاعت، کراچی)
اسی طرح فتاویٰ حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ج: ۲، ص: ۹۶، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے، آمین۔



مولانا مجیب الرحمن انقلابی

استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور

شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہم

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جگر گوشہ بتول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں کہ جن کے فضائل و مناقب، سیرت و کردار اور کارناموں سے تاریخ اسلام کے صفحات روشن ہیں۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کے گھر میں آنکھ کھولی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے نانا ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں بنفس نفیس اذان دی اور اپنے پاکیزہ اور مبارک ہاتھوں سے شہد چٹایا۔

اپنا لعاب مبارک آپ رضی اللہ عنہ کے منہ میں داخل فرمایا، دعائیں دیں اور حسین نام رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ، اپنی سب سے چھوٹی اور لاڈلی نخت جگر، خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا کو بچے کا ”حقیقہ“ کرنے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنے کی تلقین فرمائی۔ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ شفقت و محبت کو سمیٹا اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آغوشِ محبت میں تربیت و پرورش پائی۔

جس کی وجہ سے آپ فضل و کمال زہد و تقویٰ، شجاعت و بہادری، سخاوت، رحم دلی، اعلیٰ اخلاق اور دیگر محاسن و خوبیوں کے بلند درجہ پر فائز تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔

آپ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھاتے، سینہ مبارک پر رکھلاتے، کاندھے پر بٹھاتے اور کبھی ہونٹوں پر بوسہ دیتے اور خسار چومتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے والد مکرم خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے لے کر سر مبارک تک حضور اکرم ﷺ کے مشابہ تھے اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قدموں سے لے کر سیدہ تک حضور اکرم ﷺ کے مشابہ تھے۔ اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کی عکاسی کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے حسین کریمین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔

ایک موقعہ پر حضور اقدس ﷺ نے حسین کریمین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا“ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سے فرمایا کہ ”تم کو معلوم نہیں کہ ان کا رونا مجھے نغمین کرتا ہے۔“

شہید کربلا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری کی یہ حالت تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ شب زندہ دار سوائے ایام ممنوعہ کے ہمیشہ روزہ سے ہوتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے فرماتے اور حج بھی بکثرت کرتے۔ ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیدل فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مجالس وقار و متانت کا حسین مرقع اور آپ رضی اللہ عنہ کی گفتگو علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتی۔

لوگ آپ رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جو ان کے ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے، مالی حیثیت میں کمزور لوگوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ بعض مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ غرباء کے گھروں پر خود کھانا پہنچاتے تھے اگر کسی قرض دار کی سقیم حالت کا پتا چلتا تو خود اس کا قرض ادا فرمادیتے۔

حضرات حسین کریمین رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بیت اللہ کے طواف کیلئے نکلتا تو آپ رضی اللہ عنہ کو

سلام و مصافحہ کیلئے لوگ اس طرح پروانہ وار ٹوٹ کر گرتے کہ ڈر لگتا کہ کہیں ان کو تکلیف و صدمہ نہ پہنچے۔ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، حسین رضی اللہ عنہ میری اولاد ہے۔“

خليفة اول سيدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت عمر فاروق اور سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اور خاندان نبوت سے بہت زیادہ عقیدت و محبت اور اُلفت تھی۔ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہم جب بچپن میں پہلی مرتبہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے سامنے آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے بے اختیار عقیدت و محبت میں فرمایا کہ ”بیٹا علی کا ہے مشابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔“

“سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ”حیرہ“ علاقہ فتح ہوا تو مال غنیمت میں سے ایک ایک نہایت ہی قیمتی چادر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی خدمت میں بطور ”ہدیہ“ بھیجی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے بخوشی قبول فرمائی۔ خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں ”بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم“ کے وظائف سب سے زیادہ یعنی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے حسنین کریمین کے وظائف بھی بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برابر ہی مقرر فرمائے۔

حضرت عمر فاروق اپنے حقیقی بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی زیادہ محبت حسنین کریمین رضی اللہ عنہم سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں یمن سے کچھ پوشاکیں آئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے موافق اور شان کے مطابق کوئی پوشاک نہ ملی تو حضرت عمر فاروقؓ نے خصوصی طور پر یمن کے علاقہ کی طرف آدمی بھیج کر مناسب لباس منگوا یا جس کو حسنین کریمین رضی اللہ عنہم نے زیب تن کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھ کر فرمایا! اب میری طبیعت خوش ہوئی ہے۔“ اسی طرح خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اور خاندان نبوت سے عقیدت و محبت، آپس میں رشتہ داری اور اُلفت و تعلق کے بہت زیادہ واقعات تاریخ کے روشن صفحات میں محفوظ ہیں۔

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں جب بلوایوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کیا تو جنتی نوجوانوں کے سردار حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اپنے والد ماجد سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے حکم سے سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے گھر کا پہرہ دے رہے تھے۔ خاندان نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کی دور روشن آنکھیں ہیں اور ان دونوں سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقدس شخصیات کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد، اور ایک مصلح ہوتا ہے، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، اس میں کسی قسم کی مداخلت یا تباہی کی گنجائش نہیں ہے، لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ہر مجدد اور ہر بانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے، مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں، لہذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے، اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق و وابستگی خاص طور سے اس میں مؤثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن کسی مجدد اور مصلح کا معاملہ یہ نہیں، خاص خاص تر قیام تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں، لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

(تبلیغ دین کے لئے ایک اصول، ملحقہ خطبات علی میاں ص ۴۴۲، ۴۴۳، ج ۵)

محرم الحرام اور عاشورہ کا روزہ

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے، جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔

حرمت والے مہینے یہ ہیں

ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور جب۔ ان مہینوں کو حرمت والا اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایسے کام سے جو فتنہ و فساد، قتل و غارت اور امن و سکون کی خرابی کا باعث ہو، بالخصوص منع فرمایا گیا ہے۔ ان چار مہینوں کی حرمت و عظمت پہلی شریعتوں میں بھی مسلم رہی ہے، حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتدا کیوں؟

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یعنی محرم سے ہجری سال کا آغاز اور ذوالحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتدا ماہ محرم الحرام سے ہی کیوں کی گئی؟ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ جواب سے پہلے چند ایسے امور ملاحظہ فرمائیں، جن کے متعلق تقریباً تمام مورخین متفق ہیں۔

ہجری سال کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھا، بلکہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں صحابہ گرام کے مشورے کے بعد 17 ہجری میں شروع ہوا۔

ہجری سال کے کیلنڈر کا افتتاح اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہوا تھا، مگر تمام بارہ اسلامی مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے، بلکہ عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی۔ اور ان بارہ مہینوں میں سے حرمت والے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام، رجب) کی تحدید بھی زمانہ قدیم سے چلی آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے، مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (سورہ التوبہ: 36)

اسلامی کیلنڈر (ہجری) کے افتتاح سے قبل، عربوں میں مختلف واقعات سے سال کو موسوم کیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے عربوں میں مختلف کیلنڈر رائج تھے اور ہر کیلنڈر کی ابتدا محرم الحرام سے ہی ہوتی تھی۔

اب جواب عرض ہے:

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں جب ایک نئے اسلامی کیلنڈر کو شروع کرنے کی بات آئی، تو صحابہ کرام نے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت یا نبوت یا ہجرت مدینہ سے شروع کرنے کے مختلف مشورے دیے۔ آخر میں صحابہ گرام کے مشورہ سے ہجرت مدینہ منورہ کے سال کو بنیاد بنا کر ایک نئے اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا۔ یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تمام سالوں کو زیرو (Zero) کر دیا گیا اور ہجرت مدینہ منورہ کے سال کو پہلا سال تسلیم کر لیا گیا۔ رہی مہینوں کی ترتیب، تو وہ عربوں میں رائج مختلف کیلنڈر کے مطابق رکھی گئی، یعنی محرم الحرام سے سال کی ابتدا۔ غرض یہ ہے کہ عربوں میں محرم الحرام کا مہینہ قدیم زمانے سے سال کا پہلا ہی مہینہ رہتا تھا، لہذا اسلامی سال کو شروع کرتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اس طرح ہجرت مدینہ منورہ سے نیا اسلامی کیلنڈر تو شروع ہو گیا، مگر مہینوں کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

عاشرہ

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشرہ کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں دسواں دن۔ یہ دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی

رحمت اور برکت کا حامل ہے۔ اس دن کے مقدس ہونے کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں، جن میں سے کچھ صحیح ہیں، جب کہ بعض اسباب کی کوئی دلیل اور بنیاد نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و برکت کے نزول کے لیے منتخب کیا ہے۔ اسی دن بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا تھا۔

اسی مبارک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کی تقریباً 50 سال بعد 61 ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے نواسے حضرت حسینؑ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے بے شمار فضائل ملتے ہیں مثلاً: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنت میں نوجوانوں کے سردار ہیں (ترمذی)۔ جو حضرت حسینؑ سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ (ترمذی)

عاشورہ کا روزہ

جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اُس وقت تک عاشورہ کا روزہ رکھنا فرض تھا، بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت تو منسوخ ہو گئی، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔

☆... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم)

☆... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماہ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے ماہ محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشورہ کا دن آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو عاشورہ کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ 10 محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے تھے اور یہود بھی روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے ساتھ ہلکی سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزہ 9 یا 11 محرم الحرام کا رکھوں گا، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم

ہو جائے۔ لیکن اگلے سال عاشورہ کا دن آنے سے پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں، صحابہ گرام نے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ 9 اور 11 محرم الحرام کا ایک روزہ ملا کر رکھنے کا اہتمام فرمایا اور اسی کو مستحب قرار دیا اور صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا خلافِ اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشورہ کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا، بلکہ اس کو عاشورہ کا ثواب ملے گا، لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش 2 روزے رکھنے کی تھی، اس لیے اس خواہش کے تکمیل میں بہتر یہی ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔ اس طرح عاشورہ کے روزے رکھنے کی چار شکلیں بنتی ہیں:

1...9، 10 اور 11 تینوں دن روزے رکھ لیں۔

2...9 اور 10 دو دن روزہ رکھ لیں۔

3...10 اور 11 کا روزہ رکھ لیں۔

4... اگر کسی وجہ سے 2 روزے نہیں رکھ سکتے تو صرف ایک روزہ عاشورہ کے دن رکھ لیں۔

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یعنی محرم سے ہجری سال کا آغاز اور ذی الحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے۔ نیز محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔ اس ماہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا مہینہ قرار دیا ہے۔ یوں تو سارے ہی دن اور مہینے اللہ تعالیٰ کے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ماہ محرم کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس مہینے کا روزہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالیٰ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے۔ (ترمذی ج 1 ص 157) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماہ رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے ماہ محرم الحرام کے روزے ہیں۔ (صحیح مسلم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک صاحب نے آ کر پوچھا یا رسول اللہ! رمضان کے مہینے کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رمضان کے مہینے کے بعد تم کو روزہ رکھنا ہو تو

محرم کا روزہ رکھو، اس لیے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور دوسرے لوگوں کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔ (ترمذی ج 1 ص 157) جس قوم کی توبہ قبول ہوئی وہ قوم بنی اسرائیل ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت حدیث میں ہے کہ عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی تھی۔

عاشورہ کے روزہ سے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور عاشورہ کے دن بیت اللہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا۔ جب رمضان فرض ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (صحیح بخاری/217)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش جاہلیت میں عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت یہ روزہ رکھتے تھے۔ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بھی روزہ رکھا اور اس روزہ کا بھی حکم دیا۔ جب رمضان فرض ہوا تو عاشورہ (کے روزے کا حکم) چھوڑ دیا گیا، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔ (صحیح بخاری/254 و 268)

حضرت زُبَیْح بنت مُعَوِذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کی صبح انصار کے گاؤں میں اعلان کروایا کہ جس نے صبح کو کھاپی لیا ہو وہ بقیہ دن پورا کرے (یعنی رکا رہے) اور جس نے ابھی تک کھایا یا نہیں ہے وہ روزہ رکھے۔ فرماتی ہیں کہ وہ بھی یہ روزہ رکھتی تھیں اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتی تھیں اور ان کے لیے اون کا کھلونا بناتی تھیں۔ جب کوئی بچہ کھانے کے لیے روتا تو یہ کھلونا اس کو دے دیتیں، یہاں تک کہ افطار کا وقت ہوتا۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 263، صحیح مسلم ج 1 ص 360)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن ایک آدمی کو بھیجا، جو لوگوں میں یہ اعلان کر رہا تھا کہ جس نے کھایا وہ پورا کرے یا فرمایا بقیہ دن کھانے پینے سے رکا رہے اور جس نے نہیں کھایا وہ نہ کھائے (یعنی روزہ رکھے)۔ (بخاری ج 1 ص 257)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟

یہودیوں نے کہا یہ اچھا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غلبہ اور کامیابی عطا فرمائی، ہم اس دن کی تعظیم کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ج 1 ص 268)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ یہودی عاشورہ کی تعظیم کر رہے ہیں اور اس دن روزہ رکھتے ہیں، اس کو عید بنا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اس روزہ کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ج 1 ص 268، 562)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دن کے روزہ کا اہتمام اور قصد کرتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے عاشورہ کا روزہ اور رمضان کے مہینے کا۔ (بخاری ج 1 ص 268) یعنی ان روزوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر عاشورہ کے دن (کھڑے ہو کر) فرمایا: اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء؟ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ یہ عاشورہ کا دن ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا ہے، میں روزے سے ہوں، جو چاہے روزہ رکھے، جو چاہے روزہ نہ رکھے۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 262)

عاشورہ کے روزہ کا ثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم) حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاشورہ کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کے بدلے سال گذشتہ کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ (ترمذی ج 1 ص 151) ان احادیث میں گناہ سے صغائر گناہ مراد ہے، کبائر گناہ کے لیے توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

عاشورہ کا روزہ رکھنے کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال زندہ رہا تو ان شاء اللہ نویں کو (بھی) روزہ رکھوں گا، لیکن آئندہ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (مسلم ج 1 ص 359)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو۔ ایک دن پہلے روزہ رکھو یا ایک دن بعد۔ (مسند احمد ج 1 ص 241) یہ حدیث بعض نسخوں میں او کی جگہ پر او کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اگر او (یعنی اور) کے ساتھ روایت ثابت مان لی جائے تو پھر تین روزہ رکھنا ثابت ہوگا۔ اس طرح عاشورہ کے روزے رکھنے کی 4 شکلیں بنتی ہیں: 9، 10 اور 11 تینوں دن روزے رکھ لیں۔ 9 اور 10 دو دن روزے رکھ لیں۔ 10 اور 11 دو دن روزہ رکھ لیں۔ اگر کسی وجہ سے 2 روزے نہیں رکھ سکتے تو صرف ایک روزہ عاشورہ کے دن رکھ لیں۔

خلاصہ کلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشورہ کا دن آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو عاشورہ کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ 10 محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے ساتھ ہلکی سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزہ 9 یا 11 محرم الحرام کو رکھوں گا، تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔ لیکن اگلے سال عاشورہ کا دن آنے سے پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں صحابہ کرام نے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ 9 یا 11 محرم الحرام کا ایک روزہ ملا کر رکھنے کا اہتمام فرمایا اور اسی کو مستحب قرار دیا اور صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا خلاف اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشورہ کا روزہ رکھے تو

مفتی سمیع الرحمن مدظلہ العالی

استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

علماء و طلبہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی باتیں

عالم عرب کے معروف عالم دین صالح احمد شامی نے ملفوظات صحابہ کرامؓ کا ایک مجموعہ ”مواعد الصحابہؓ“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منتخب ملفوظات ترجمہ و تشریح کے ساتھ پیش خدمت ہیں، جن کا براہ راست تعلق طلبہ اور علمائے کرام سے ہے۔

طلبہ کی صفات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب نوجوانوں کو طلب علم میں مشغول دیکھتے تو خوش ہو کر

فرماتے:

”مرحباً ببنایب الحکمة، ومصایب الظلم، خلجان الثیاب، جدد القلوب،

حبس البیوت، ریحان کل قبيلة۔“

”اے حکمت و دانش کے چشمو! جہالت کے اندھیروں میں علم کے روشن چراغ! حصول علم کی کوششیں

تمہیں مبارک ہوں۔ تمہارا لباس بوسیدہ، لیکن دل تروتازہ رہتا ہے۔ بے مقصد گھومنے پھرنے کے بجائے

اپنی اقامت گاہوں تک محدود رہتے ہو، تم ہر قبیلے کے پھول ہو۔“

فوائد:

۱:- طلبہ کو خوش آمدید کہنا چاہیے۔ اپنے رویوں سے انہیں دل برداشتہ کرنے کی بجائے ان کی نادانی پر صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ مولانا فضل امام خیر آبادی ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۴ء ہندوستان کے معروف عالم گزرے ہیں، ان کے صاحبزادے فضل حق کا ایک واقعہ معروف ہے۔ ان کے پاس بڑی عمر کا ایک بیٹھا طالب علم پڑھتا تھا، جو غبی اور کند ذہن تھا، مولانا کا غنواںِ شباب تھا، تحمل اور بردباری کی کمی تھی، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے تنگ آ کر غصے میں کتاب اس کے سر پر دے ماری، وہ منہ بسورتا ہوا ان کے والد مولانا فضل امام کے پاس گیا اور شکایت کی، وہ سیدھے درس گاہ میں آئے اور بیٹے کے سر پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ دستارِ فضیلت دور جا گری اور غصے میں فرمایا:

”تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھ دی، اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علم کی قدر تو کیا جانے؟ اگر مسافرت اختیار کرتا، بھیک مانگتا، مسجدوں میں قیام کرتا اور طالب علم بتا تو تجھ کو حقیقت معلوم ہوتی، طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو۔“
(مسلمان مثالی اساتذہ، مثالی طلباء، ص: ۴۱)

اس مادی دور میں مستقبل کے سہانے خوابوں کو فراموش کر کے علومِ نبوت کو اپنے سینے سے لگانے والے مہمانانِ رسول کی عزت افزائی اور ان کے علمی افادے کو اپنا شرف سمجھنا چاہیے۔

۲:- طلبہ دین کو اپنی ظاہری شکل و صورت کی تزئین میں منہمک ہونے کی بجائے دل کی دنیا کو باطنی گندگی، تکبر، بغض، حسد، خود پسندی، قومی، لسانی، علاقائی تعصب اور عشقِ مجازی سے پاک کرنے اور اخلاقِ حسنہ، تواضع، عاجزی، ادب، انوخت، ایثار سے سنوارنے کی کوششوں میں لگے رہنا چاہیے۔

۳:- بے مقصد گھومنے پھرنے اور تفریح میں پڑنے کے بجائے طالب علم کو اپنی فکر و نظر اور چلت پھرت کا محور محض ”علم“ کو بنانا چاہیے۔

حصولِ علم کا مقصد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تعلموا العلم، فإذا علمتم فاعملوا۔ وقال: ویل لمن لا یعلم ولو شاء اللہ

لعلمہ، وویل لمن یعلم، ثم لایعمل سبع مرات۔“

”علم دین حاصل کرو، جب حاصل کر لو تو اس پر عمل بھی کرو۔ پھر فرمایا: جاہل کے لیے ایک ہلاکت ہے اگر وہ جاہل ہی رہے اور اللہ چاہے تو اسے علم دے کر اس ہلاکت سے نکال بھی سکتا ہے، مگر جو شخص علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔“

فائدہ: سات کا عدد محض کثرت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کے لیے ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں، کیونکہ بے عمل ہر لمحے رحمتِ الہی سے دور ہوتا جاتا ہے، لہذا مقصدِ علم، عمل ہونا چاہیے۔ علم برائے علم، یا علم برائے اسناد اور اسناد برائے ذریعہٴ معاش اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔ صحیح نیت کے ساتھ تبعاً اُمور سے واسطہ پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

”إن الرجل لایولد عالماً وإن العلم بالتعلم۔“

”انسان ماں کے پیٹ سے عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا، علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔“

فائدہ: علم کسی صاحبِ فضل و علم کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے سے آتا ہے، کسی کی راہنمائی کے بغیر علمی مدارج طے کرنے کے خواب دیکھنا احمقوں کا کام ہے۔ بعض اوقات طالب علم کی خود پسندی اور اس کا مصنوعی وقار اس کے تحصیل علم میں آڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات علمی خانوادوں کے چشم و چراغ ”پدرم عالم بود“ کے زعم میں مبتلا ہو کر علم و فضل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ علمی استفادے کی لذت اس وقت تک حاصل نہیں کی جاسکتی، جب تک طالب علم اپنا مصنوعی وقار اور خود پسندی کا لباس اُتار نہ دے اور اصحاب علم سے استفادے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرے۔

علم بھولنے کی وجہ

”إني لأحسب الرجل ينسى العلم كان يعلمه لخطيئة يعملها۔“

”جو شخص علم دین کی کوئی چیز جاننے کے بعد بھول جائے، میرے خیال میں یہ اس کے کسی گناہ کا اثر

ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔“

فائدہ: بھول پن کے کئی مادی اسباب بھی ہو سکتے ہیں، جو انسان کو مختلف احوال میں لاحق ہوتے رہتے

ہیں، لیکن اگر انسان کو دنیاوی دھندے تو نہ بھولنے پائیں، مگر علم دین کے وہ مسائل جنہیں وہ جان چکا تھا، بھول پن کا شکار ہو جائیں تو یقیناً یہ کسی گناہ کا ثمرہ بد ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔ یہی نسیان کا روحانی سبب ہے، علم دین کی حفاظت گناہوں سے محفوظ ہونے میں ہے۔

علم خشیتِ الہی کا نام ہے

”لیس العلم بکثرة الروایة ولكن العلم الخشیة۔“

”علم خشیتِ الہی کا نام ہے، نہ کہ کثرتِ روایات کا۔“

فائدہ: ایک صحابی رسول کی فرستِ ایمانی کا اندازہ لگائیے۔ خیر القرون میں رہتے ہوئے انہوں نے جس علمی فتنے کی نشاندہی فرمائی ہے، آج اُسے فتنہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

علم دین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ معرفتِ الہی حاصل ہو، اس معرفت کے نتیجے میں انسان کا رواں رواں خشیتِ الہی میں ڈوب کر سراپا اطاعت بن جائے۔ خشیتِ معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور معرفتِ علم سے، انبیاء کرام کو یہ معرفت سب سے مستند علم ”وحی“ سے براہِ راست حاصل ہوئی تھی، اس لیے ان میں خشیتِ الہی بھی بکمال پائی جاتی ہے۔ اس تعلقِ علم کی وجہ سے علما کرام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ عام لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں: ”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔“ (فاطر: ۲۸)۔۔۔۔۔ ”اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔“ جو علم انسان کو خشیت سے دوچار کرنے کے بجائے محض جستجو کے لیے مہیز کا کام دے، اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ ایسا شخص قابلِ رحم ہے جس کی معلومات تو وسیع ہوں، مقالے، مضامین، علمی تحقیقات نوکِ قلم پر ہوں، ہر عہد کی کتابوں سے نام بہ نام واقفیت ہو، مگر دل خشیتِ الہی سے خالی ہو۔

ایک اضافی خوبی کے لیے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر دینا، پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے جان گنوانے کے مترادف ہے۔

علماء پر شہداء کا رشک

”علیکم بالعلم قبل أن یرفع، ورفعه موت رواته، فو الذی نفسی بیدہ!“

لیؤدن رجال قتلوا فی سبیل اللہ شہداء أن یبعثہم اللہ علماء لمایرون من کرامتہم،

فإن أحد الم يولد عالماً، وإنما العلم بالتعلم۔“

”علم کو اس کے اٹھ جانے سے قبل ہی حاصل کر لو، اہل علم کا فوت ہو جانا ہی علم کا اٹھ جانا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہو جانے والے لوگ جب اپنی آنکھوں سے علماء کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کریں گے تو حسرت کریں گے کہ کاش! اللہ تعالیٰ انہیں بھی علماء کی صف میں اٹھاتا، کوئی شخص بھی عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا اور، علم حاصل کرنے سے آتا ہے۔“

فائدہ: اسلام کی سر بلندی اور دفاع اُمت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا قابل قدر قربانی ہے، لیکن علمائے حق کی قربانیاں اپنے پہلو میں ”افضل الجہاد“ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس مقدس جماعت کے افراد اُمت مسلمہ کی ایمانی دولت کے محافظ بن کر پوری زندگی شیطانی قوتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ حق گو عالم دین دشمنوں کی بھیڑ میں رہ کر صبح و شام اپنی آرزوؤں کا خون کر کے گلستانِ اسلام کی آبیاری کرتا رہتا ہے۔ نیز جہاد انسانوں کے حق میں سر اپا رحمت بننے کے لیے آئین شریعت کا محتاج ہے۔ گویا جہاد کی بقاء علم شریعت کی بقاء پر موقوف ہے، اس سے فضیلتِ علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم عمل کے لیے اُتر ا ہے، نہ کہ محض پڑھنے کے لیے

”أنزل القرآن ليعمل به فاتخذتم دراسته عملاً، وسيأتي قوم يثقفونه مثل

القناة ليسوا بخياركم۔ والعالم الذي لا يعمل كالمریض الذي یصف الدواء،

و كالجائع الذي یصف لذائذ الأَطعمة ولا یجدھا، وفي مثله قوله تعالیٰ: {وَلَكُمْ

الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ}۔“ (الأنبياء: ۱۸)

”قرآن کریم عمل کی غرض سے نازل کیا گیا ہے، لیکن تم نے اس کے نازل ہونے کا مقصد محض

پڑھنا سمجھ لیا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آ کر رہیں گے جو قرآن کریم کے الفاظ کو نیزے کی طرح سیدھا کرنے کو مقصد زندگی سمجھ لیں گے، ایسے لوگوں کا شمار تمہارے اچھے لوگوں میں نہیں ہوگا۔ جو صاحب علم اپنے علم پر عمل نہ کرے، اس کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو مرض کی دوا بیان کرتا ہے، مگر خود اس سے شفا نہیں پاتا، یا اس بھوکے کی طرح ہے جو کھانوں کے ذائقے بیان کرتا ہے، مگر لذتِ دہن سے محروم رہتا ہے۔ ایسے

بے عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعثِ خرابی ہیں۔“
 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بعض عارفین کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ تجوید کے قواعد میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی روح ”خشیت“ پس پردہ چلی جاتی ہے۔ (الفوز الکبیر، ص: ۳۵)

اعترافِ جہالت

”إن الذي يفتي الناس في كل ما يستفتونه لمجنون۔ وقال: جنة العالم:“ لا أدري“، فإن أخطأها فقد أصيبت مقاتله۔“ (الاحياء، ج: ۱، ص: ۹۱)

”جو شخص ہر سوال کا دھڑلے سے جواب دیتا چلا جائے وہ بے وقوف ہے۔ پھر فرمایا: عالم کی ڈھال یہ کلمہ ہے: ”مجھے معلوم نہیں۔“ پھر اگر کسی مسئلے سے ناواقف ہونے کے باوجود اعترافِ جہالت کرنے کی بجائے جواب دینے کی غلطی کر بیٹھا تو برباد ہو گیا۔“

فائدہ: کسی مسئلے کا جواب انتہائی سوچ سمجھ کر اور صورتِ مسئلہ کو جان کر دینا چاہیے۔ اس لیے محتاط اہل علم پیچیدہ مسائل کا جواب تحریری صورت میں دیتے ہیں، اس میں خطا کا امکان کم ہوتا ہے۔ مسئلے کا جواب کسی قاعدے اور نظیر کو سامنے رکھ کر دینے میں ٹھوکر لگتی ہے، اس لیے جب تک یقینی مسئلہ معلوم نہ ہو، جواب سے گریز کرنا چاہیے، اس سے اعتماد بھی بڑھ جاتا ہے۔

عالمِ دین مسلسل نماز میں ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لا يزال الفقيه يصلي“۔۔۔ ”فقہیہ ہمیشہ نماز میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: ”ذکر اللہ تعالیٰ علی قلبہ، ولسانہ“۔۔۔ ”اس کا دل اور اس کی زبان ذکرِ الہی سے معطر رہتے ہیں۔“

فائدہ: یادِ الہی اور حضوری ایک والہانہ ڈھنگ ہے۔ دینی مسائل کا تکرار، استحضار بھی درحقیقت اللہ کی یاد ہے، اس لیے اسے نماز سے تشبیہ دی ہے کہ فقہیہ ہمیشہ یادِ الہی میں مصروف رہتا ہے۔



سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: مثالی نظام حکومت

مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی وہ نامور شخصیت ہیں جو جرات و بہادری کی وجہ سے قبول اسلام سے قبل ہی شہرت کے حامل تھے۔ امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی اسی جرات کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحضور الہ التجاء کی: اے اللہ! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے اپنے پسندیدہ بندے کے ذریعے اسلام کو غلبہ اور عزت عطا فرما۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی دعا قبول کرتے ہوئے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام کو عزت دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے قبل مسلمان مشرکین قریش سے چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ آج سے مسلمان عبادت چھپ کر نہیں بلکہ علی الاعلان کیا کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”بے شک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ہمارے لیے فتح تھی۔ خدا کی قسم ہم بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہم نے مشرکین کا مقابلہ کیا اور خانہ کعبہ میں نمازیں پڑھنا شروع کیں۔“ (المجم الکبیر للطبرانی، رقم: 8820)

اُس دن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق رکھ دیا گیا۔ یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں نماز کے لیے بلانے کا مسئلہ پیش آیا، جس پر مختلف آراء پیش کی گئیں، مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس اعلان کے لیے ایک شخص مقرر کر لیا جائے۔ گویا اذان جیسا شعارِ اعظم آپ رضی اللہ عنہ کی رائے سے وجود میں آیا۔ اسیرانِ بدر کے بارے میں اختلاف کی صورت میں تائیدِ الہی آپ کی رائے کے موافق تھی۔ حجاب کی آیت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئی۔

امام مسلم نے باب الوقف میں بیان کیا ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی زمین مجاہدین میں تقسیم کی گئی، زمین کا ایک ٹکڑا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا، مگر آپ نے زمین کا وہ ٹکڑا اللہ کی راہ میں دے کر اسلام میں وقف کی بنیاد رکھی۔

قبولِ اسلام کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا والہانہ عشق تھا جس کی مثال کم ملتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور یہودی کسی تنازع کے حل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شواہد و دلائل کی بنیاد پر فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا مگر وہ منافق مسلمان مقدمہ اس امید پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے آیا کہ شاید اسلام کی حمیت میں فیصلہ میرے حق میں آجائے۔ مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں تو فوراً تلوار اٹھائی اور اس منافق کا سر قلم کر دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔

انتظامی شعبہ جات کا قیام

یکم محرم الحرام کو آپ کا یومِ شہادت ہے۔ زندہ تو میں اپنے ہیروز کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تاریخِ اسلام میں ایسی شخصیت ہیں جن کا دورِ خلافت قیامت تک آنے والے حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کو اتنی وسعت ملی کہ فارس و روم جیسی سلطنتیں آپ کے عہد میں فتح ہوئیں۔ اسی طرح مصر سے لے کر آذربائیجان تک کے علاقے فتح ہوئے۔ سلطنت کی

وسعت کے ساتھ ہی انتظامی شعبہ جات کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ طور پر پہلی بار درج ذیل انتظامی شعبہ جات قائم فرمائے:

1۔ پولیس کا محکمہ

آپ نے اسلامی ریاست کے اندرونی و داخلی امن کے لیے باقاعدہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ جس کا کام ناپ تول میں کمی کو روکنا، تعمیرات میں تجاوزات کو کنٹرول کرنا، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادنے دینا اور شراب کی فروخت روکنا وغیرہ تھا۔ اس سلسلے میں طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامت بن معظون رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرن پر افسر مقرر کیا اور بازار کی نگرانی کی ذمہ داری عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔

2۔ جیل خانہ جات

جب محکمہ پولیس قائم ہوا تو اس کا فطری نتیجہ تھا کہ لوگوں کو سزائیں بھی ملیں گی۔ لہذا سزا دینے کے لیے جیل کا قیام عمل میں لایا گیا، سب سے پہلے مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر جیل خانہ بنایا گیا۔

3۔ بیت المال کا قیام

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل بیت المال کا باقاعدہ نظام موجود نہیں تھا۔ جو کچھ مال غنیمت یا خراج و جزیہ کی صورت میں آتا، فوری تقسیم ہو جاتا تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب بحرن سے واپس آئے تو ایک سال میں اپنے ساتھ پانچ لاکھ درہم بھی لائے۔ اس وقت ولید بن ہشام کے مشورے سے بیت المال کا محکمہ قائم کیا گیا اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ پہلے وزیر خزانہ مقرر کئے گئے۔ بیت المال کا یہ نظام اتنا وسیع ہوا کہ مورخ یعقوبی لکھتے ہیں کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی تنخواہیں اور وظائف کی رقم تین کروڑ درہم سالانہ تھی۔

4۔ نہری نظام کا قیام

یہ اعزاز خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ہے کہ انہوں نے دنیا میں نہری نظام کی بنیاد

ڈالی، خوراک کی پیداوار میں اضافہ، زراعت کی ترقی، لائیوسٹاک کے تحفظ اور بقا کے لیے پانی کی محفوظ ترسیل کا بندوبست کیا۔ زرعی زمینوں کی آبادکاری کے لیے نہری نظام قائم کیا گیا۔ بصرہ کے لوگوں نے پانی کی قلت کی شکایت کی تو آپ نے ابو موسیٰ الاشعری کو تحریری حکم بھیج کر دجلہ سے بصرہ تک 9 میل لمبی نہر کھدوائی۔ اس کے علاوہ نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیر المؤمنین بہت مشہور ہیں۔ نہر امیر المؤمنین کے ذریعہ دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملایا گیا تھا اور اس نہر کی لمبائی 69 میل تھی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی نہر صرف چھ ماہ کے عرصے میں مکمل ہو گئی تھی۔

5۔ نظام تعلیم کا قیام

سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے باقاعدہ قراء و معلمین مقرر کر کے ان کی تنخواہیں طے کیں۔

الاصابہ اور مجمع البلدان میں ہے کہ بدوؤں کے لیے جبری طور پر قرآن مجید کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند دیگر اشخاص کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں گھوم کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن کا کچھ حصہ یاد نہ ہو، اسے سزا دیں۔ آپ نے چند حفاظ صحابہ کو حصہ، دمشق اور فلسطین میں قرآن سکھانے اور حفظ کرانے کے لیے روانہ کیا۔

مشق میں ابودرداء کے درس میں سولہ سو تک طالب علم موجود ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ نے حدیث اور فقہ کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا۔ عبدالرحمن بن معقل کو بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لیے روانہ کیا۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ آپ نے عبدالرحمن بن غنم کو فقہ کی تعلیم عام کرنے کے لیے شام بھیجا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نظام عدل

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا نظام عدل و انصاف آج بھی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ سب سے پہلے خود عدل پسند بنے اور مثال بن کر دکھایا، پھر اپنے عمال اور رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نظام عدل میں اصول مساوات کا لحاظ رکھتے اور کسی قسم کا امتیاز روانہ رکھتے۔ ذیل میں اس کی کچھ مثالیں تاریخ طبری سے درج کی جا رہی ہیں:

ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب کے ساتھ آپ کا تنازع ہوا، حضرت زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ جب آپ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اس مقدمے میں یہ پہلی نا انصافی کی ہے۔ یہ کہہ کر آپ فریق مخالف کے برابر بیٹھ گئے۔

جبلہ بن اسہم غسانی شام کا بادشاہ تھا، مسلمان ہو گیا تھا، کعبہ کے طواف کے دوران اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا، جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا، اس شخص نے بھی جواباً تھپڑ دے مارا۔ وہ غصے سے بیتاب ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رئیس زادے کی خاطر قانون مساوات کو نہ بدلا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کے بیٹے عبد اللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا۔ آپ نے اسی شخص کے ہاتھوں عمرو بن العاص کے سامنے ان کے بیٹے عبد اللہ کو کوڑے لگوائے۔

فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں معمولی سی شکایت ملی تو آپ نے مشکل حالات کے باوجود انہیں دربار حاضر کیا۔

آپ نے سلطنت کی وسعت اور گورنرز کی کثرت کے پیش نظر گورنرز کے احتساب کا اور ان کے بارے میں موصول ہونے والی شکایات کی تحقیقات کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معتمد صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔ جب کسی گورنر کے بارے میں شکایت ملتی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ موقع پر جا کر کھلی کچھری لگاتے اور لوگوں کی رائے لیتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (گورنر بصرہ) کے متعلق شکایت موصول ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود مستغیث کا بیان قلمبند کیا اور ابو موسیٰ اشعری کو بلوا کر خود تحقیق کی۔

جس گورنر کی نسبت آپ کو معلوم ہوتا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں پہنچ نہیں پاتا تو اسے فوراً عہدے سے ہٹا دیا جاتا۔ ایک بار آپ کو خبر ہوئی کہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ (عامل مصر) بار یک قیمتی کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: عیاض کو جس حالت میں پاؤں اپنے ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر

دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں مدینہ لایا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا وہ کرتہ اتروا کر کھر درے کپڑے کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ریوڑ دیا کہ اسے چراؤ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنے لیے گھر بنوایا، جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ اس ڈیوڑھی سے اہل حاجت کو رکاوٹ نہ ہو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جا کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔

بیت المال کا کپڑا سب میں تقسیم ہوا مگر لمبے آدمی کا کرتہ نہیں بن سکتا تھا، جب لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی کپڑے کا کرتہ پہنے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور اعتراض کر دیا۔ آپ کے بیٹے نے کھڑے ہو کر وضاحت دی کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا اپنے والد کو دیا ہے تو ان کا کرتہ بنا ہے۔ گویا اپنے اثاثہ جات کی Money Trail دینے کا نظام بھی آپ کے دور میں وضع ہوا۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے۔ ایک دفعہ آپ کی زوجہ کلثوم نے قیصر روم کے گھر والوں کے لیے خوشبو بھجوائی۔ جو اب انہوں نے تحفہ جواہرات بھجوائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اپنی زوجہ سے فرمایا: اگرچہ عطر تمہارا تھا مگر شام تک لے جانے والا قاصد سرکاری تھا۔ اسے سرکاری پیسے سے تنخواہ ملی تھی۔ غرض آپ نے وہ جواہرات بیت المال میں جمع کروادینے۔

ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے، معالج نے شہد کا مشورہ دیا۔ آپ کے پاس شہد نہیں تھا مگر بیت المال میں موجود تھا۔ آپ نے مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔

بظاہر یہ باتیں بڑی مشکل معلوم ہوتی ہیں مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مساوات کا یہ نظام قائم کرنا مشکل نہ تھا۔ اس لیے کہ اسلام کی یہ تعلیمات حقیقی معنی میں آپ کے اندر راسخ ہو چکی تھیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور رعایا کی دادرسی

طرز زندگی میں سادگی تھی مگر شاہان وقت آپ سے ڈرتے تھے۔ دوسری طرف آپ اپنی رعایا کی داد

رسی کے لیے ہر ممکن کاوشیں بروئے کار لاتے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

امام غزالی فضاح الباطنیہ میں بیان کرتے ہیں کہ یزدگرد شہر یار شہنشاہ فارس نے اپنا ایک قاصد بھیجا اور حکم دیا کہ اس شخص کے حالات معلوم کر کے آؤ جس کے رعب سے بادشاہ بھی ڈرتے ہیں۔ جب یزدگرد کا قاصد مدینہ پہنچا تو لوگوں سے پوچھا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ جواب ملا، ہمارے ہاں بادشاہ نہیں ہوتے بلکہ امیر ہوتا ہے۔ ایک شخص اس قاصد کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ شخص جس سے دنیا ڈرتی ہے، وہ اپنا عصا سر ہانے رکھے زمین پر سوراہا ہے اور آپ کے پسینے سے زمین بھی تر تھی۔ یہ دیکھ کر شہنشاہ فارس کا قاصد حیران رہ گیا یہ ہے وہ شخص جس کے رعب سے پوری دنیا ڈرتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی کوشش ہوتی تھی کہ رعایا کے حالات زیادہ سے زیادہ خود معلوم کریں۔ ایک دفعہ سفر شام سے واپسی کے دوران راستے میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اترے، ایک بوڑھی عورت نظر آئی، اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ کہنے لگی: شام سے روانہ ہو چکا ہے مگر خدا سے پوچھے، مجھے اس کی طرف سے آج تک ایک جبہ بھی نہیں ملا۔ آپ نے کہا: عمر کو اتنی دور کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ بولی: اگر عمر کو رعایا کے حالات معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ اس جواب پر آپ پر رقت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔ پھر اس عورت کو ضروریات زندگی کی اشیاء بہم پہنچائیں۔

ایک بار ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا، شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا، آپ رضی اللہ عنہ اُس قافلے کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے ہوئے ایک طرف سے رونے کی آواز آئی، دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رورہا ہے۔ وجد دریافت کرنے پر بچے کی ماں نے بتایا کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑ دیں، اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہیں ہوگا۔ میں نے اس غرض سے بچے کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب وہ دودھ کے لیے روتا ہے۔ آپ نے سنا تو کہنے لگے: ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا حق مارا ہے۔ اسی دن سے منادی کرادی کہ بچہ جس دن پیدا ہو، اسی دن سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

کہتے ہیں کہ جس سال عرب میں قحط پڑا، آپ نے قسم کھائی کہ وہ بھی گوشت یا کوئی اور لذیذ چیز نہیں کھائیں گے، یہاں تک کہ قحط ختم ہو گیا اور خوشحالی آگئی۔ مگر آپ نے پھر بھی ان مذکورہ اشیاء کو نہ کھایا کہ کہیں

ایسا نہ ہو کہ میں تو کھاؤں اور میری رعایا میں سے کسی کو یہ نصیب ہی نہ ہوں۔

یہ وہ طرز حکومت تھا جس نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آج بھی اسی طرح زندہ رکھا ہوا۔ آج بھی لوگ اچھی حکمرانی کے لیے ان کے دورِ خلافت کی مثالیں دیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی بے شمار مثالیں ایسی ہیں جو ہمارے حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان مثالوں پر عمل پیرا ہونے کے دعوے کرنا تو بہت آسان ہے مگر اس کے لیے عدل و انصاف، احتساب، امانت اور دیانت کے اصولوں پر کاربند ہونا ہوگا۔ نظام حکومت چلانے کے لیے ایسے باکردار اور اہل لوگوں کو ساتھ ملانا ہوگا جن کے اندر منافقت نہ ہو، ملک و قوم اور دین اسلام کے لیے مخلص ہوں اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو خلوص نیت اور صدق کے جذبات کے ساتھ قوم کی بہتری کے لیے بروئے کار لائیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے الفاروق میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میری کابینہ کے اندر کوئی منافق شخص بھی ہے؟ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور انہیں صیغہ راز میں بھی رکھنے کا حکم دیا تھا، لہذا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ایک شخص منافق ہے، مگر نام نہیں بتا سکتا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنے ذرائع سے ڈھونڈ کر عہدے سے معزول کر دیا۔

ہمارے حکمرانوں کو اگر ریاستِ مدینہ اور خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے زیر کار ناموں اور اصولوں کی روشنی میں نظام حکومت چلانے کی خواہش ہے تو مذکورہ اصولوں پر سمجھوتہ کئے بغیر دلیرانہ انداز میں آگے بڑھنا ہوگا۔ بصورتِ دیگر صرف نعرے اور دعوے رہ جائیں گے جو پہلے حکمران بھی کرتے آئے ہیں اور پھر ان میں اور ان میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ بحضور الہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے طرزِ خلافت سے رہنمائی اور روشنی لینے کی توفیق عطا فرمائے۔



تحریر لیتیق احمد نعمانی

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ہجری سال (اسلامی کیلنڈر) کا آغاز

ایک سال کی مدت کو مہینوں، ہفتوں اور دنوں میں تقسیم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اسے اردو بول چال میں ”نظام الاوقات“ عربی زبان میں ”تقویم“ اور انگریزی زبان میں اس کو کیلنڈر (لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”حساب رکھنے والی کتاب“) سنسکرت میں پڑا اور ہندی میں اس کو جنتری بولا جاتا ہے۔

کیلنڈر کی قسمیں

دنیا میں کئی قسم کے تاریخی نظام چلتے ہیں جن کا دارومدار بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں۔
۱۔ سورج (جس کو نظام شمسی کہتے ہیں) ۲۔ چاند (جس کو نظام قمری کہتے ہیں) ۳۔ ستارے (جس کو نظام نجومی کہتے ہیں)۔

اسلامی کیلنڈر کی بنیاد چونکہ چاند پر ہے اس وجہ سے اس کو قمری سال بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی ابتداء محرم الحرام سے اور اختتام ذوالحجہ پر ہوتا ہے۔

سن ہجری کی ابتداء

تاریخ کیلئے ایک خاص سن مقرر کرنے کا رواج بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم

میں کسی مشہور اور اہم واقع سے سال کا شمار ہوتا ہے کہیں بادشاہوں کی تخت نشینی سے کہیں کسی حادثہ سے، کہیں کسی میلے ٹھیلے سے کبھی یہ شمار ملکی فتوحات سے ہوتا ہے جیسے ہندوستان کے مختلف حصوں میں راجہ بکر ماجیت کے جشن تخت نشینی سے بکرمی کا رواج ہے۔

غرضیکہ تاریخ کیلئے ”سن“ کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اس کا رواج بہت قدیم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی امت میں اس کا مختلف طریقوں سے استعمال رہا، چنانچہ ابتدائے دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے آسمان سے زمین پر اترنے کو بطور سن مقرر کیا گیا۔ پھر طوفان نوح کے واقعے کو بطور سن مقرر کیا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے واقعے کو مقرر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے پیروکاروں نے ان کے مصر میں وزیر بننے کے واقعے کو بطور سن مقرر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبعین نے بنی اسرائیل کے فرعون سے خلاصی پانے کے زمانہ کو بطور سن مقرر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے زمانے کو عیسائیوں نے سن کی حیثیت عطا کی۔

بہر حال مسلمانوں کی باقاعدہ تاریخ کا آغاز ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ ہجرت سے قبل مسلمان سن نبوت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع وغیرہ سے تاریخ کا حساب لگایا کرتے تھے۔ باضابطہ کوئی سن مقرر نہ تھا۔ اہل عرب ابتداء میں تعمیر کعبہ کو اور پھر مشہور واقعات و شخصیات کے اعتبار سے سن شمار کرتے تھے۔ جیسے کعب بن لؤئی کی وفات (کعب بن لؤئی عرب کی مشہور شخصیت ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے محفوظ رکھا)

جنگ بسوس، جنگ داجس، جنگ غبراء اور جنگ فجار وغیرہ مگر جب عرب ممالک کے علاوہ دیگر عجم ممالک میں بھی اسلامی حکومت معرض وجود میں آئی تو انفرادی و اجتماعی اور سرکاری سطح پر اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ باقاعدہ طور پر سن مقرر کیا جائے، چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام سے مشاورت فرمائی اور سن ہجری کا تقرر ہوا، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اسلامی تقویم (اسلامی کیلنڈر) کی بنیاد بنا دیا گیا۔

اسلامی مہینے

اسلامی کیلنڈر کی ابتداء ”ماہ محرم الحرام“ سے ہوتی ہے جبکہ اس کی انتہاء ”ماہ ذوالحجہ“ پر ہوتی ہے۔ اسلام کیلنڈر میں بھی بارہ مہینے ہوتے ہیں بعض 29 کے اور بعض 30 کے ”علامہ محمد مغربی نے لکھا ہے کہ قمری کیلنڈر میں چار مہینوں تک مسلسل تیس (30) کا چاند ہو سکتا ہے مگر اس کے بعد نہیں اور اکتیس کا چاند بھی مسلسل چار ماہ تک ہو سکتا ہے“۔ (تراشے از مفتی تقی عثمانی صاحب) اور چار ماہ ”اشہر حرم“ کے نام سے موسوم ہیں۔ قرآن پاک نے اس کو یوں بیان کیا۔

ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا۔۔۔ (سورۃ توبہ آیت 36)

ترجمہ:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے جو اللہ پاک کی کتاب (لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے (آسان ترجمہ از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

اسلامی سال کے بارہ مہینے بالترتیب اس طرح ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔

محرم الحرام

لغت کے اعتبار سے محرم کے معنی معظم، محترم اور معزز کے ہیں چونکہ یہ مہینہ اعزاز، احترام اور عظمت و فضیلت والا ہے اس لئے اس مہینہ کا نام محرم ہے اور یہ ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جو ہر شریعت کے اندر قابل احترام مہینے رہے ہیں۔ جن کو اشہر حرم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صفر

ماہ صفر اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے سال کا دوسرا مہینہ ہے۔

ماہ صفر کو صفر کہنے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ صفر کے معنی لغت میں خالی ہونے کے آتے ہیں اور اس مہینہ میں اہل عرب کے گھر عموماً خالی رہتے تھے، کیونکہ چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب میں مذہبی طور پر ان کو جنگ اور لڑائی نہ کرنے اور مذہبی عبادت انجام دینے کا بطور خاص پابند کیا گیا تھا۔ اور محرم کا مہینہ گزرتے ہی اس جنگجو قوم کیلئے مسلسل تین مہینوں کی یہ پابندی ختم ہو جاتی تھی۔ لہذا وہ لوگ جنگ، لڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کے گھر خالی ہو جاتے تھے۔ عام طور پر صفر کے ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگا یا جاتا ہے یعنی کہا جاتا ہے ”صفرالمظفر“ یا ”صفرالخیر“ اس کی وجہ یہ ہے کہ مظفر کے معنی کامیابی و کامرانی والی چیز کے ہیں اور خیر کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں کیونکہ صفر کے مہینے کو منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا اور آج بھی اس مہینہ کو بہت سے لوگ منحوس بلکہ آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اس مہینے میں خوشی کی بہت سی چیزوں (مثلاً شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات) کو منحوس یا معیوب سمجھتے ہیں۔

جبکہ اسلامی اعتبار سے اس مہینہ سے کوئی نحوست وابستہ نہیں اور اسی وجہ سے احادیث مبارکہ میں اس مہینہ کے ساتھ نحوست وابستہ ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

اس لئے صفر کے ساتھ مظفر اور خیر کا لفظ لگا کر صفرالمظفر یا صفرالخیر کہا جاتا ہے تاکہ اس کو منحوس اور شر و آفت والا مہینہ نہ سمجھا جائے بلکہ کامیابی والا بامراد نیز خیر کا مہینہ سمجھا جائے۔

ربیع الاول

ماہ ربیع الاول اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے سال کا تیسرا مہینہ ہے۔

ربیع الاول دو لفظوں کا مجموعہ ہے ایک ربیع، دوسرا اول عربی لغت میں ”ربیع“ موسم بہار کو کہا جاتا ہے اور ”الاول“ پہلے کو کہا جاتا ہے تو ربیع اول کے معنی ہوئے ”پہلا موسم بہار“

ربیع الثانی

اسی طرح ربیع الثانی بھی دو لفظوں کا مجموعہ ہے، ربیع اور الثانی ربیع کا معنی ”موسم بہار“ اور الثانی کا

معنی ”دوسرا“ یعنی پہلے کے بعد اور اس کو ”ربیع الآخر“ بھی کہتے ہیں ”آخر“ کے معنی بعد کے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے مہینہ کا نام ربیع الاول ہے اس لیے اس کے بعد والے مہینے کا نام ”ربیع الثانی“ یا ”ربیع الآخر“ تجویز کیا گیا۔

پھر ایک تو موسم بہار کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے جس میں کلیاں اور پھول کھلتے ہیں اس کو ”ربیع اول“ کہا جاتا ہے اور دوسرا موسم بہار کا وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں پھل پک جاتے ہیں اس کو ربیع الثانی کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں مہینوں کے نام جس وقت تجویز کیے گئے اس وقت بہار کا موسم تھا۔ اس لیے موسم اور زمانے کی مناسبت سے ان دونوں مہینوں کے نام تجویز کیے گئے اور اس کے بعد سے یہ دونوں مہینے اس نام کے ساتھ موسوم ہو گئے۔

پس یہ دونوں مہینے خواہ موسم بہار میں آئیں یا موسم بہار کے علاوہ کسی دوسرے موسم میں بہر حال دونوں مہینوں کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جمادی الاولیٰ

ماہ جمادی الاولیٰ اسلامی سال کا پانچواں قمری مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ بھی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ جمادی اور الاولیٰ۔ جمادی کے معنی جمی ہوئی چیز کے آتے ہیں اور اولیٰ پہلے کو کہتے ہیں۔ تو جمادی الاولیٰ کے معنی ہوئے، پہلی جمی ہوئی چیز“

جمادی الاولیٰ نام رکھنے کی وجہ یہ ممکن ہے کہ جس سال اس مہینہ کا نام رکھا گیا اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتی ہوئی سردی کے موسم میں آیا ہو۔ اور پانی میں جمود پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ پانی جمنے کا پہلا مہینہ ہو۔

جمادی الاخریٰ

ماہ جمادی الاخریٰ اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے سال کا چھٹا قمری مہینہ ہے اور یہ جمادی الاولیٰ کا مہینہ ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے۔

لغت میں جمادی کے معنی جم جانے کے آتے ہیں اور آخری پہلے کے بعد والے کو کہتے ہیں۔ جمادی الاخریٰ نام رکھنے کی وجہ بظاہر وہی معلوم ہوتی ہے جو پیچھے جمادی الاولیٰ کے بارے میں بیان

کی گئی ہے۔ گویا کہ یہ مہینہ پانی جم جانے کا دوسرا مہینہ تھا۔ اور جمادی الاخریٰ کو ”جمادی الآخرة“ بھی کہہ سکتے ہیں۔

رجب

ماہ رجب اسلامی سال کا ساتواں قمری مہینہ ہے اور یہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔ رجب دوسرے مہینوں کی طرح عربی کا لفظ ہے۔ جو عربی کے لفظ تریب سے بنا ہے اور رجب کے معنی تعظیم کئے ہوئے کے آتے ہیں۔ یہ مہینہ سال کے ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جن مہینوں کی اسلام میں ابتداء سے ہی تعظیم و تکریم کی گئی ہے اور عربی میں رجب کے ساتھ ”مضز“ کی نسبت بھی لگائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے ”رجب مضز“ اور مضز دراصل عرب میں ایک قبیلے کا نام تھا جو کہ رجب کے مہینے کی بہت زیادہ تعظیم کرتا تھا اس لئے یہ مہینہ اس قبیلے کے نام کے ساتھ مشہور ہو گیا۔

شعبان

شعبان کا مہینہ اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے اور یہ بھی مذکر استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں پھیلا نا اور شاخ در شاخ ہونا۔

بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفل روزے رکھنے اور نیک عمل کرنے والے کو شاخ در شاخ برابر بڑھتی رہنے والی نیکی اور خیر و خوبی کا موقع میسر ہوتا ہے۔

گویا اس مہینہ میں خیر و برکت کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ رجب کے مہینے میں (اس کے احترام کی وجہ سے) عرب کے لوگ لڑائی جھگڑوں وغیرہ سے بچ کر گھروں میں رہتے تھے اور شعبان کے مہینے میں منتشر و متفرق ہو جاتے تھے جس طرح شاخیں منتشر و متفرق ہوتی ہیں۔

شعبان کے ساتھ ”معظم“ کا لفظ لگا کر شعبان المعظم بولا جاتا ہے۔ معظم کے معنی عظمت والی چیز کے ہیں، کیونکہ یہ مہینہ شریعت کی نظر میں عظمت والا مہینہ ہے اس لیے اس مہینہ کو شعبان المعظم کہا جاتا ہے۔

رمضان المبارک

ماہ رمضان اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔ یہ لفظ بھی ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے رمضان عربی کے لفظ ”رمض“ سے بنا ہے اور رمض کے معنی جلنے اور جلانے کے آتے ہیں۔ اس مہینہ کا یہ نام اس لئے تجویز کیا گیا ہے کہ اس مہینہ کی خصوصیت ہے کہ یہ مہینہ مسلمانوں کے گناہوں کو جلانے اور معاف کرانے کا ذریعہ ہے کیونکہ اس مہینے میں دلوں میں آخرت کی فکر اور تیاری کی حرارت و گرمی پہنچتی ہے۔

رمضان کے ساتھ مبارک و معظم کا لفظ لگا کر ”رمضان المبارک ورمضان المعظم“ بولا جاتا ہے مبارک کے معنی ہیں ”برکت والی چیز“ اور معظم کے معنی ”عظمت والی چیز“ اور کیونکہ یہ مہینہ شریعت کی نظر میں برکت والا اور عظمت والا ہے اس لئے اس ماہ کو رمضان المبارک اور رمضان المعظم کہا جاتا ہے۔ اور ہماری زبان میں رمضان کے ساتھ شریف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ”رمضان شریف“ شریف کے معنی ”شرافت والی چیز“ اور یہ مہینہ کیونکہ تمام مہینوں میں سب سے زیادہ شرف رکھنے والا ہے اس لئے رمضان شریف بھی کہ دیا جاتا ہے۔

حضرت جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ کسی رمضان کی پانچ تاریخ جس دن ہوا گلے سال کا پہلا روزہ لازماً اسی دن ہوتا ہے علامہ مغربیؒ کہتے ہیں کہ اس قاعدے کو پچاس سال آزمایا گیا، ہمیشہ صحیح نکلا۔
(تراشے از مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

شوال

ماہ شوال اسلامی سال کا دسواں مہینہ ہے یہ لفظ بھی مذکر استعمال ہوتا ہے اور بول چال میں اس کو عید کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ شوال کے عربی لغت میں کئی معنی آتے ہیں۔

جن میں سے ایک معنی بلند ہونے اور اوپر اٹھنے کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینہ کی ابتدائی رات اور ابتدائی دن یعنی عید الفطر کے دن میں بے شمار مومن لوگوں کے گناہ ان کے نامہ اعمال سے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتے ہیں اس لیے اس ماہ کو شوال کا نام دیا گیا۔

اور شوال کے لغت میں ایک معنی خفت اور ہلکے پن کے آتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس مہینے کا نام شوال رکھنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں روزے اور نیک اعمال کرنے کے ذریعے اس مہینہ میں شہوات اور لذات سے نفس ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح کرنے سے نکاح میں خیر و برکت نہیں ہوتی اور خیر و برکت اوپر اٹھ جاتی ہے اور اس کے بجائے ہلاکت آ جاتی ہے۔ اس لئے زمانہ جاہلیت کے لوگ اس مہینے کو بدفالی کے طور پر شوال کہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرز عمل کے ذریعے سے اس نظریہ کی اس طرح تردید فرمائی کہ حضرت عائشہؓ سے اسی مہینہ میں نکاح فرمایا اور رخصتی بھی۔

ذوالقعدہ

ماہ ذی قعدہ اسلامی سال کا گیارہواں مہینہ ہے۔ اس مہینے کو عربی زبان میں ذوالقعدہ یا ذی القعدہ کہا جاتا ہے۔ جس کے لغت میں معنی ”بیٹھنے والے کے“ آئے ہیں۔ یہ نام دو لفظوں کا مجموعہ ہے ایک ”ذو“ دوسرے ”القعدہ“ پہلا لفظ عربی میں والے کے معنی میں آتا ہے اور ”ذال“ کے بعد کبھی ”واو“ اور کبھی ”یا“ آتا ہے اور اس طرح سے کبھی ”ذوالقعدہ“ اور کبھی ”ذی القعدہ“ استعمال ہوتا ہے اور کبھی الف لام کے بغیر ”ذوقعدہ“ یا ”ذی قعدہ“ بھی استعمال کیا جاتا ہے اور عربی میں ”قعدہ“ کے معنی بیٹھنے کے آتے ہیں، اس مہینے میں زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ قتل و قتال کو گناہ و حرام سمجھتے تھے اور اپنے اسلحہ کو رکھ دیتے تھے اور کسی کو قتل نہیں کیا کرتے تھے اور پھر اگلے مہینے میں بہت سے لوگ حج کیا کرتے تھے، گویا کہ وہ لڑائی جھگڑوں اور سفر و اسفار سے الگ ہو کر اس مہینے میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس مناسبت سے اس مہینہ کا نام ”ذوالقعدہ“ یعنی ”بیٹھنے والا مہینہ“ رکھا گیا۔

اور یہ مہینہ بھی ”شہر حرم“ میں سے ہے۔

ذوالحجہ

اسلامی اعتبار سے ذوالحجہ اسلامی قمری سال کا بارہواں اور آخری مہینہ ہے۔ اس مہینہ کے ختم ہونے پر اسلامی سال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ذوالحجہ عربی زبان کا جملہ ہے اور یہ بھی دراصل دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ”ذو“ اور دوسرا ”الحجہ“ ذو کے معنی ہیں ”والا“ عربی قاعدے کے لحاظ سے کبھی یہ ذو اور کبھی ذی استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے مختلف حالات ذوالحجہ اور ذی الحجہ دونوں بولا جاتا ہے اور ”الحجہ“ کے معنی ”حج کرنے کے“ آتے ہیں۔ تو ذوالحجہ کے معنی ہوئے ”حج کرنے کا مہینہ“ اس مہینہ میں کیونکہ حج کی ادائیگی جاتی ہے اس مناسبت سے اس مہینہ کا نام ذوالحجہ رکھ دیا گیا اور یہ مہینہ بھی اشہر حرم میں سے ایک ہے۔ اشہر حرم: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام ہیں۔

قمری حساب کی اہمیت

- ۱۔ جب شرعی احکامات کا تعلق قمری حساب سے ہے تو اس نیت سے اس کا استعمال بذات خود عبادت ہے کیونکہ عبادت کی حفاظت بھی عبادت ہے۔
- ۲۔ قمری حساب کا استعمال انبیائے کرام، صحابہ کرام اور سلف صالحین کا طریقہ ہے جس کی اتباع کرنے کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔
- ۳۔ قمری حساب کے استعمال سے اسلامی تشخص برقرار رہتا ہے، جس کا باقی رکھنا اسلام میں بہت ضروری ہے۔

۴۔ شرعی احکام کا دار و مدار قمری حساب پر ہے اس لئے اس کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض کفایہ ہے اور اس کو محفوظ کرنے کا اس وقت سہل طریقہ یہ ہے کہ روزمرہ میں اس کا (اسلامی کیلنڈر) استعمال کیا جائے۔ (بارہ مہینوں کا انسائیکلو پیڈیا از مفتی محمد رضوان صاحب، تفسیر ابن کثیر آیت نمبر 36 سورۃ توبہ)



آپ کے مسائل کا حل

محرم کے موقع پر کالے کپڑے پہننا

محرم الحرام میں کالے کپڑے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ محرم میں چونکہ شیعہ کالے کپڑے سوگ اور غم کے طور پر پہنتے ہیں اس لیے ان کی مشابہت ہے۔ ہمارے ایک مدرسہ ہے وہاں کے لوگ طلبہ کے بارے میں محرم کے دنوں میں خاص اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی طالب علم کالے کپڑے پہن کر نہ آئے۔

جواب:

محرم کے دنوں میں شیعوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کالے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے۔ مدرسہ والوں کا یہ اہتمام درست ہے

حرم میں نکاح کرنا جائز ہے؟ صحابہ کرام کی عملی زندگی سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

جواب

محرم الحرام کے مہینے میں نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں، دیگر مہینوں کی طرح اس ماہ مبارک میں بھی نکاح کرنا درست اور جائز ہے، بلکہ اس ماہ میں نکاح نہ کرنے کی رسم کو ختم کرنے کے لیے نکاح

کرنا موجب اجر ہوگا۔ اگر اس ماہ مبارک میں شہادتوں کی وجہ سے اس کو غم اور سوگ کا مہینہ قرار دے کر نکاح سے احتراز کیا جائے تو سال بھر میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، اور اس بنا پر تمام مہینوں میں نکاح سے احتراز ناممکن بات ہے۔ اس لیے محرم الحرام میں بھی نکاح کرنا عام مہینوں کی طرح جائز ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح سن 2 ہجری ماہ محرم الحرام میں ہوا تھا، سیرۃ المصطفیٰ میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”اسی سال (یعنی سن 2 ہجری میں، اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا، ذوالحجہ، محرم یا صفر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمائی“۔ (سیرۃ المصطفیٰ 2/171، ط: الطاف سنز)

بعض مؤرخین نے ماہ محرم میں ہی نکاح کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

اہل تشیع کی مجالس میں شرکت کرنے کا حکم

سوال

شیعہ حضرات کی مجالس میں شرکت کرنے ان کے نوحہ سننے اور بذات خود پڑھنے اور محرم میں اپنے معمول کے طور پر کالے کپڑے زیب تن کیے جائیں تو کیا یہ ٹھیک ہے یا اس پر بھی من تشبہ قوم فھومنہ کا حکم لگایا جائے گا؟

جواب

(1) جو مجالس غیر شرعی امور پر مشتمل ہوں ان میں شرکت کرنا ناجائز ہے، نیز نوحہ پڑھنا اور سننا بھی

شرعاً ناجائز ہے۔

(2) محرم الحرام کے مہینے میں سیاہ لباس پہننا چونکہ ایک خاص طبقہ کا شعار بن چکا ہے؛ اس لیے محرم

کے مہینے میں سیاہ لباس پہننا درست نہیں، خواہ اپنے معمول کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (22/9):

"من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكاً في عمله".

"الدیلمی عن ابن مسعود". فقط والله اعلم

مسجد میں نماز جنازہ کی شرعی حیثیت

آج کل بعض مساجد والوں نے نماز جنازہ کے لیے یہ صورت اختیار کی ہوئی ہے اور بعض حضرات یہ صورت اختیار کرنا چاہ رہے ہیں کہ محراب کی جانب میت رکھنے اور امام کے کھڑے ہونے کی جگہ بنائی جائے۔ جس کی وجہ سے امام اور میت تو مسجد سے باہر ہوں اور باقی نمازی مسجد کے اندر ہوں اور اس طرح نماز جنازہ ادا کی جائے۔ بعض جگہ تو جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتے ہیں اور بعض جگہ اگرچہ جگہ کی تنگی تو نہیں لیکن سارے نمازیوں کے مسجد سے باہر کسی میدان وغیرہ میں جمع ہونے میں حرج محسوس کیا جاتا ہے کہ اب تو سب اپنی اپنی جگہ موجود ہیں اور آسانی سے نماز پڑھ لیں گے۔ شرعی نقطہ نظر سے ایسا کرنا کس حد تک درست ہے؟

جواب:

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی مختلف صورتیں ہیں:

- ۱۔ جنازہ، امام اور مقتدی سب مسجد کے اندر ہوں۔
 - ۲۔ جنازہ اور امام مسجد سے باہر ہوں اور تمام مقتدی مسجد کے اندر ہوں۔
 - ۳۔ جنازہ، امام اور ایک صف مسجد سے باہر ہوں اور باقی مقتدی مسجد کے اندر ہوں۔
 - ۴۔ میت صرف مسجد کے اندر ہو اور امام و مقتدی مسجد سے باہر ہوں۔
- حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق بلا عذر یہ تمام صورتیں جائز نہیں اور مکروہ ہیں۔ بعض حضرات کے ہاں دوسری اور تیسری صورت بلا کراہت جائز ہے۔

اگرچہ صحیح قول مطلقاً کراہت کا ہے لیکن اگر کبھی بلا عذر ایک آدھ دفعہ بغیر عادت بنائے دوسری اور تیسری صورت اختیار کی جائے تو بعض اردو فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ایسا کرنا صحیح تو نہ تھا لیکن چونکہ

اس کے بارے میں عدم کراہت کا قول بھی موجود ہے۔ اس لیے اس پر زیادہ سختی نہ کی جائے۔
اگر جگہ کی تنگی ہو اور مسجد کے قریب کوئی جگہ نہیں جس میں جنازہ پڑھا جاسکے تو ایسی صورتوں میں دوسری اور تیسری شق اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ احسن الفتاویٰ میں ہے:

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر ہو، البتہ اگر نماز کے لیے کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو عذر کی وجہ سے مسجد میں کراہت نہیں۔ (4/193)
اگر مسجد کے قریب کھلی جگہ موجود ہو جس میں نماز جنازہ ادا کی جاسکے تو ایسی صورت میں مسجد میں جنازہ پڑھنے کی کوئی بھی صورت جائز نہیں۔

چنانچہ فتاویٰ عثمانیہ میں ایک سوال کے جواب میں ہے ”میت کو محراب سے باہر رکھ کر اگر نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھی جائے تو راجح قول کے مطابق یہ صورت بھی مکروہ ہے، البتہ آس پاس نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کوئی اور جگہ نہ ہو تو مجبوراً فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ صورت مسؤلوں میں مسجد کے ساتھ مسجد ہی کا کھلا میدان موجود ہے۔ اس لیے جس مسجد کے بارے میں سوال ہے وہاں مسجد کے اندر بلا عذر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور جب مسجد کے ساتھ کھلی جگہ موجود ہے تو مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی کی بحث میں نہیں پڑھنا چاہیے، باہر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔“ (فتاویٰ عثمانی: 1/565)
خلاصہ: جہاں جگہ کی تنگی ہو اور مسجد کے آس پاس جگہ موجود نہ ہو تو عذر کی وجہ سے دوسری اور تیسری صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

اور جہاں مسجد کے ساتھ کھلی جگہ موجود ہو جہاں جنازہ ادا کیا جاسکتا ہو تو وہاں مسجد کے اندر جنازہ کی کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز نہیں۔ بلکہ نماز جنازہ باہر ہی ادا کریں گے۔



عبدالودود ربانی

جامعہ کے شب و روز

- ✽ جامعہ کے زیر اہتمام میٹرک کے امتحان سے فارغ ہونے والے طلبہ و طالبات اور حضرات و خواتین کو لازمی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے الگ الگ چالیس روزہ سمرکیمپ کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں 175 طلباء شریک ہوئے۔ کیمپ کے اختتام پر کورس کے شرکاء میں سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے۔
- ✽ اسلامی اصول و قواعد کی روشنی میں تجارت کو فروغ دینے کے حوالے سے جامعہ کے شعبہ فقہ المعاملات کے زیر اہتمام کاروباری حضرات کے لئے چالیس روزہ فقہی کورس کا اہتمام کیا گیا جس میں 25 افراد نے شرکت کی۔ کورس کے اختتام پر تاجر حضرات میں اسناد اور سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے۔
- ✽ اس سال قربانی کے موقع پر ادارہ نے لاہور شہر کے نو مقامات پر قربانی سیمینارز کا اہتمام کیا جس میں لوگوں کو قربانی کی فرضیت، اہمیت اور فضیلت کے ساتھ ساتھ قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے ضروری امور سے متعلق آگاہی دی گئی نیز علمائے کرام نے قربانی کے احکام و مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی۔
- ✽ جامعہ کے دو ماہی امتحانات مورخہ 7، 8 ستمبر بمطابق 7، 8 محرم الحرام کو ہونا قرار پائے ہیں جب کہ 9 اور 10 محرم کو جامعہ میں تعطیل ہوگی۔
- ✽ جامعہ کے نائب مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدظلہ سعودی عرب کے دو ماہ کے حج تبلیغی دورہ سے واپس پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس دورہ کو نافع اور امت کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین





التقویٰ بوائزہائی سکول

(سائنس و آرٹس)

With New Competent,
Energetic and Professional
Administration

حافظ، غیر حافظ بچوں کیلئے دینی ماحول میں سکول کی تعلیم

ٹرینڈ تجربہ کار اساتذہ

حفظ کی دہرائی

ٹیسٹ سیشن کا آغاز

عربی و انگریزی پریکٹس فونکس

بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت

100 فیصد

نتائج کا

حاصل ادارہ

شخصیت کی تعمیر پر خصوصی توجہ

کمپیوٹر و سائنس لیب

0423-5247910
0300-5553616

58 چوبرچی پارک لاہور



دینی مسائل کے حل اور سوالات کے جوابات کے لیے
دارالافتاء جامعہ دارالتقویٰ کی طرف سے واٹس ایپ پر
مستند مفتی حضرات کا ایک پینل
آن لائن

03004113082

اوقات کار: صبح 8 تا نماز عشاء



جامعہ دارالتقویٰ کی جانب سے

واٹس ایپ (whatsapp) پر

دینی معلومات کا سلسلہ

جاری ہے۔

آپ بھی اپنے واٹس ایپ پر دینی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

دینی معلومات حاصل کرنے کے لیے

اپنے واٹس ایپ سے RINFO لکھ کر 03222333224 پر بھیجیں۔